طلب العلم فریضة علی کل مسلم و مسلمة
الله اکبر
اصول السماع
ناشر
ادارہ نعیمیہ رضویہ سواد اعظم موچی گیٹ لاہور

الحمد للہ والمنۃ کتاب مستطاب المسمّٰی بہ

اصول السّماع

مصنفہ حضرت علامہ فخر الدّین صاحب زرّادی دہلوی خلیفہ خاص
حضرت محبوب الٰہی خواجہ نظام الدین بدایونی قدس سرہما و

مسئلہ السّماع

مصنفہ عارف باللہ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ

بترجمہ

حضرت مولانا مفتی غلام معین الدین نعیمی اشرفی المتولد ۱۳۴۱ھ

یکے از مطبوعات

ادارہ نعیمیہ رضویہ سوادِ اعظم موچی گیٹ لاہور

قیمت پچاس پیسے

مطبوعہ تعلیمی پرنٹنگ پریس لاہور

مصنفؒ کا مختصر تذکرہ

سند المحققین شیخ محمد عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف کتاب "الاخیار"
میں حضرت مولانا فخر الدین زرادی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ
آپ سلطان المشائخ محبوب الٰہی شیخ نظام الدین اولیاء دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خلفاء
میں سے بزرگ، جامع علم و تقویٰ، صاحب ذوق و عشق اور دینی امور میں صلابت تامہ
رکھتے تھے، اور آپ بڑی عظمت کاملہ والے بزرگ تھے آپ نے اپنی ابتدائی عمر میں شہر دہلی میں
مولانا فخر الدین ہانسوی قدس سرہ کے سامنے تحصیل علم کیا۔ اہل شہر میں آپ جوشِ طبع، نکتہ سنجی
اور فصاحت و بلاغت میں ممتاز شہرت کے مالک تھے۔ پھر آپ نے شیخ المشائخ شیخ نظام الدین
محبوب الٰہی رحمۃ اللہ کی ارادت قبول کر کے خلافت حاصل کی اور طالب علموں کے زمرہ
سے نکل کر درویشوں کی لڑی میں منسلک ہو گئے اور غیاث پور میں سکونت اختیار فرمائی
اور مرشدِ برحق محبوب الٰہی رحمۃ اللہ کے وصال کے بعد دہلی میں دریائے جون کے کنارے
ایک محلہ میں جسے اب فیروز آباد کہا جاتا ہے مشغول ہدایت و عبادت ہو گئے پھر آپ نے
اجمیر شریف جا کر خواجہ غریب نواز ولی الہند حضرت معین الدین سجزی رحمۃ اللہ کی زیارت کی
پھر شیخ فرید الدین قدس سرہٗ کی زیارت کی۔ آپ اپنا زیادہ وقت سفر میں گزارتے، اور
صحرا و بیابانوں میں عبادتِ الٰہی میں مشغول رہتے اور ہمیشہ روزہ دار رہتے تھے،
آپ آخر عمر مبارک میں خانہ کعبہ کی زیارت کے لیے گئے تو وہاں سے بغداد شریف تشریف لے
گئے وہاں آپ نے بڑے بڑے علماء کرام سے علم حدیث میں بحثیں فرمائیں اسکے بعد اپنے وطن
دہلی کے شوق نے مجبور کیا تو کشتی میں سوار ہو کر واپس ہونے لگے اثنائے سفر میں وہ کشتی غرق
ہو گئی اور حضرت مولانا فخر الدین زرادی قدس سرہٗ نے درجہ شہادت حاصل کیا (مختصراً)

حضرت مولانا فخر الدین زرادی قدس سرہ سماع سے نہایت شوق رکھتے تھے اور
سماع سے آپ پر جگر سوز گریہ اور رقت انگیز وجد و حال طاری ہوتا تھا "سیر الاولیاء"

میں ہے کہ ایک رات "حوض خاص علائی" میں مجلس سماع تھی اس مجلس میں مولانا حسام الدین ملتانی خلیفہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی قدس سرہٗ اور قوال موجود تھے، جب سماع شروع ہوا تو مولانا پر عجیب حال طاری ہوا اور گریہ کا اسقدر غلبہ ہوا کہ آپ کی آواز بندھ گئی اور پاؤں کے دونوں انگوٹھوں پر وجد فرمانے لگے اور مولانا حسام الدین ملتانی نے بھی اپنی جگہ سے جنبش کی اور قوالوں کے نزدیک ہو گئے ان دونوں بزرگوں کے ذوق و شوق نے حاضرین مجلس پر عجیب اثر کیا۔ ایک دفعہ اسی طرح پر حوض سلطان دولت آباد کے کنارے مجلس سماع تھی اور قوال یہ اشعار پڑھ رہے تھے ؎

تو بادشاہ حسینی و خواہشم این است ۔۔۔ کہ شغل روئے نہی بر ورت مرا باشد
ندانم این دل گمراہ را کہ فتوئی داد ۔۔۔ کہ بت پرستی در عاشقی روا باشد

مولانا فخر الدین زرادی قدس سرہٗ پر اسقدر گریہ طاری ہوا کہ پلکوں کے نیچے کی جگہ سرخ ہو گئی۔ مولانا قدس سرہٗ مرتبہ اجتہاد کا رکھتے تھے ایک مرتبہ آپ طلبا کو ہدایہ پڑھا رہے تھے تو آپنے احادیث متمسکات ہدایہ کو چھوڑ کر براہ راست احادیث صحاح سے بطور تمسک بیان کرنا شروع کر دیا جس پر مولانا کمال الدین اور دیگر علماء نے اس تبحر علمی پر تحسین فرمائی۔ مولانا قدس سرہٗ بحث میں کبھی مسامحت نہ فرماتے تھے، خواہ ان کے مقابل کتنا ہی بڑا عالم، علامۃ العصر ہی کیوں نہ ہو اور بلا الزام نہ چھوڑتے تھے اگر مقابل کج بحثی کرتا یا طعن و تشنیع پر اتر آتا تو درویشوں کی خصلت و عادت کے مطابق برداشت فرماتے اور اٹھ جاتے تھے۔

آپ نے حلت سماع میں ایک رسالہ مسمّٰی بہ "اصول السماع" عربی میں مجتہدانہ شان سے تالیف فرمایا، جس سے آپ کے تبحر علمی کا کمال ظاہر ہوتا ہے چنانچہ اس کا ترجمہ کر کے پیش کیا جاتا ہے۔

فقیر اشرفی غلام معین الدین نعیمی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ الذی خص الاولیاء بحسن الاسماع واطیاب سرائرھم بلطائف المخاطب عند السماع واسمع قلوبھم کلامہ القدیم بکشف القناع والصلوٰۃ علی سیدنا محمد سید الانبیاء بالاجماع وعلی آلہ واتباعہ -

المقدمۃ

اعلم ان اھل السنۃ والجماعۃ ثلثۃ فرق الفقیھون والمحدثون والصوفیون فالفقہاء سموا المحدثین اصحاب الظواھر لانھم یعتمدون بمجرد الخبر ویطلبون الاسناد الصحیح وھم سموا ھم اھل الرائے لانھم یعملون بالرائے ویترکون الخبر الواحد فعندھم العمل بالدرایت مع وجود المخالفۃ الخبر الواحد عن الثقات جائز وعند المحدثین لا یجوز والصوفیۃ اجود الفریقین واصفاھم لانھم یتوجھون الی اللہ تعالیٰ بترک التفات عما سوای اللہ تعالیٰ فھم یعملون بالمذھب الاحوط ولا یقبلون مذھب المعین کما قال بعضھم الصوفی لامذھب لہٗ ویتمسکون بقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اختلاف امتی سعۃ فی الدین فاذا کان الاختلاف توسیعاً فاختار المذھب المعین تضییق وتضییق الموسع ممنوع فی الدین لانہٗ حرج فی حق المکلف وکذالک منع النبی صلی اللہ علیہ وسلم اعرابی حین دعی اللھم ارحمنی ومحمد ولا یرحم معنا احدً القد تحجرت واسعاً فثبت اختیار المذھب المعین لیس بشیٔ وھو طریق العوام "ویوئدہ الکتاب والسنۃ ویجمع علیہ المحققون ؕ فالکتاب ھو قولہ تعالیٰ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ والامر بالسؤال من غیر تعین یدل علی ان اختیار المذھب المعین بدعۃ - واما السنۃ فقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم - فالامر الاقتداء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ و نصلی علیٰ حبیبہ الکریم

اللہ تعالیٰ ہی تمام تعریفوں کا مستحق ہے جس نے اولیاء کرام کو حسن سماع سے خاص فرما کر بوقت سماع انکے دلوں کو لطائف سے مخاطب کر کے مسحور فرمایا اور اپنے قدیم کلام سے کشف حجاب کر کے ان کے قلوب میں قوت سماعت بخشی اور اللہ تعالیٰ اپنی بے پایاں رحمتیں بالاجماع سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر آپکی آل و اتباع پر نازل فرمائے۔

مقدمہ

اے طالب حقیقت! تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ اہل سُنّت و جماعت کے تین[۳] مکتب فکر ہیں، ایک جماعت فقہاء کی ہے اور دوسری جماعت محدثین[۲] کی ہے، اور تیسری جماعت[۳] صوفیاء کرام کی ہے۔ چنانچہ فقہاء کرام نے محدثین کا نام "اصحاب ظواہر" رکھا ہے، اسلیے کہ محدثین صرف حدیث پر اعتماد رکھتے ہیں اور اسکی سند صحیح کے متلاشی رہتے ہیں اور محدثین نے فقہاء کا نام "اہل الرائے" یعنی صاحب قیاس رکھا ہے کیونکہ فقہاء قیاس پر عمل کرتے ہیں اور خبر واحد کو چھوڑ دیتے ہیں لہذا فقہاء کے نزدیک "درایت" پر عمل جائز ہے اگرچہ اس سے ثقہ راویوں سے مروی خبر واحد کی مخالفت موجود ہو اور ایسی مخالفت محدثین کے نزدیک جائز نہیں ہے لیکن صوفیاء کرام کا مسلک بمقابلہ فقہاء و محدثین کے زیادہ عمدہ اور صاف ہے کیونکہ صوفیاء کرام ماسوی اللہ پاک سے ترک تعلق و التفات کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، لہذا صوفیاء کرام محتاط مذہب پر عمل کرتے ہیں اور اختلاف مذہب سے اجتناب کرتے ہیں (مثلاً فقہاء کے نزدیک ایک شئے حرام اور محدثین کے نزدیک وہ حلال ہو یا اسکے برعکس مسئلہ ہو، تو صوفیاء کرام اس شئے کو ہی چھوڑ دیں گے مترجم) جیسا کہ بعض صوفیا کا قول ہے کہ صوفی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا (اسکے یہی معنی ہیں کہ وہ اختلاف میں نہیں پڑتے اور احتیاط برتتے ہیں) وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرتے ہیں کہ میری اُمّت کیلئے دینی مسائل میں اختلاف کی گنجائش ہے پھر جبکہ اختلاف کی گنجائش ہے، تو پھر مذہب معین کے اختیار کرنے میں تنگی ہے اور کشادگی کو تنگ کرنا دین میں ممنوع ہے

کامر السؤال فی ترک الاختیار ۔ واما الاجماع فهو ظاهر لان النظر فی
اقوال العلماء المجتهدین واجب حتیٰ یمیّز العاقل دلیل الراجح من المرجوح
والقوی من الضعیف لزائدۃ الرشد فی الاصول وهو طریق طلب العلم
وطلبه واجب بالاجماع لما ذا ورد فی الحدیث طلب العلم فریضة علیٰ
کل مسلم ومسلمة ۔ فاختیار المذهب المعین بالتقلید انسداد وهذا
الباب ۔ والقیاس کذالک فکونه ترجیحا بلا مرجح وحرجا فی حق المکلف کما
ذکروه فاذا کان الصوفیة فی مذهب غیر معین فروایت الفقهاء علیهم
لیس بحجة فافهم واسمع فبها انا شرعت فی توضیح السماع واباحته
وصنفت کتابا باصول ورتبته علیٰ عشر اصول واعرضت عن زیادها الفضول

الاصل الاول فی بیان حقیقة السماع صیغتا ولغة واصلاحاً

السماع لفظ مشترک وهو عند البعض الاسم الجامد کما فی تاج الاسامی
السماع السرور وعند الاکثر هو المصدر بمعنی السمع واستعمل فی المسموع
یقال هذا الکتاب سماع ای مسموع " اما الاصطلاح فهو المسموع المطبوع
المجموع من الصوت الحسن وکلام الموزون حتیٰ ینصرف الفهم عند
الاطلاق علیٰ ذلک وفی هذا الاصطلاح مراعات المعنی اللغوی وهو الاصل
والسماع دون الغناء لانه استماع الاشعار التی تکون فی ذکر الغوانی مع
حسن الصوت والغوانی هی النسآء التی یتغیرهی بالحسن عن الزینة کما اشار الیه
الشیخ العارف ابوطالب المکی فی "قوة القلوب" ان الاغانی ما تشبت به النسآء
ووضعن به شهد نافیه ودعیٰ الی الهوآء والشوق الی الهوآء وقوله حجة
لاستفاضة علمه فی لغة العرب وکمال ورعه فالسماع لایحرم لجرهته
ابدا الاتری انه لوقسم احد ان لا یاکل اللحم فان اکل لحم السمک

اس لیے کہ یہ مکلف کے حق میں ضرر رساں ہے اس کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بدوی کو منع فرمایا جب اُس نے یہ دعا مانگی کہ "اے خدا مجھ پر اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر رحم کر اور ہمارے ساتھ رحمت میں کسی کو شریک نہ کر" حضور نے فرمایا تو نے خدا کی وسیع رحمت کو تنگ کر دیا" تو ثابت ہو گیا کہ مذہب معیّن کا اختیار کرنا (مجتہدین اور صاحبانِ فکر و قیاس کے لیے) کوئی ضروری نہیں ہے یہ طریقہ تو عوام کا ہے (کیونکہ عوام پر مذہب معیّن کی تقلید واجب ہے) اسکی تائید کتاب و سُنّت سے بھی ہوتی ہے اور اس پر تمام محققین کا اجماع بھی ہے چنانچہ ثبوت از کتاب الٰہی پر یہ فرمانِ باری، کہ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (اگر تمہیں علم نہ ہو تو اہل علم سے دریافت کرو) چونکہ دریافت کرنے کا حکم غیر متعیّن ہے تو یہ دلالت ہے کہ اختیارِ مذہب معیّن (جہاں عوام پر واجب ہے، وہاں مجتہدین کے لیے) بدعت ہے اور ثبوت از سُنّت نبوی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جنکی بھی پیروی کرو گے راہ یاب ہو گے) تو یہ پیروی کرنے کے حکم کی دلالت بھی سوال کرنے اور دریافت کرنے کی مانند ہے اب رہا ثبوت از اجماع ! تو یہ ظاہر ہے اس لیے کہ علما و مجتہدین کے اقوال میں غور و فکر کرنا واجب ہے تاکہ ہر ذی علم و عقل، راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف میں تمیز کر سکے اور رُشد و ہدایت، اصول میں زیادہ ہو سکے یہی طریقہ طالب علم کے لیے تحصیلِ علم کا ہے جو کہ بالاجماع واجب ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر تحصیل علم (دین) واجب ہے لہٰذا (صاحبانِ فکر اور مجتہدین کے لیے) بطور تقلید مذہب معین کا اختیار کرنا قیاس و اجتہاد کے دروازہ کا بند کرنا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مکلف کے حق میں ترجیح بلا مرجح اور ضرر کا موجب ہے جیسا کہ مذکور ہوا — اب جبکہ تم نے یہ جان لیا کہ تحصیل معرفت الٰہی میں صوفیا کرام کا مذہب غیر معین ہے تو اس خصوص میں فقہاء کی روایت ان پر حجت نہیں ہے اس کے بعد اب سنو! اب میں سماع کی وضاحت اور اس کی اباحت میں

لا حنث عند ابی حنیفۃ رحمۃ اللہ لان اسم اللحم عن الالتحام وھی الشدۃ والالتحام فیہ غیر موجود فلا یدخل فی حکمہ حقیقۃً فکذالک السماع یخرج عن حکم الغناء اذا سمعہ لیشعر عن ذکر الغوانی فالسماع مطلق والغناء مقید والمطلق خارج عن حکم المقید فاذا کان السماع فارغاً عن حکم الغناء فھو مباح بالاتفاق لانہ الموزون مجموع من الصوت الحسن والکلام الموزون واستماعھما جائز فی الشرع اذا کل واحد منھما حسن المعنی فی عینہ ـــ

الاصل الثانی فی استماع الصوت الحسن

الصوت الحسن نعمۃ زاد اللہ تعالیٰ فی خلق الانسان محسن آدائہ وھو نعمۃ من عندہ التی عبدہ فھو فی نفسہ حسن واستماعہ مستحسن اذا اللہ تعالیٰ منّ بہ علی العباد کما جاء فی التنزیل ویزید فی الخلق ما یشآء قال بعض المفسرین وھو صوت الحسن وقرأ فی الخلق وھو من نوادر القوۃ واصطفی الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بہ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لبعث النبی قط ولہ حسن الصوت فالتلذذ بہ شکر النعمۃ وھو واجب لقولہ تعالیٰ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ فالحدیث یقتضی وجوب التلذذ والصوت القبیح منکر قال اللہ تعالیٰ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ فثبت ان یقتضہ مرضی اذا الشیٔ یتبین بفندہ ولانہ معجزۃ لداؤد علیہ السلام وھو آیۃ من آیات اللہ تعالیٰ ولہ تاثیر یبلغ فی القلوب وکذالک کان یرفع من مجالسہ جنائز لما روی عن الثقات لان داؤد علیہ السلام کان یسمع قراءتہ الانس والجن والوحش والطیر حین قرء الزبور وکان یرفع من مجلسہ اربع مائۃ جنازۃ ممن قد مات من المستمعین وذکر الترمذی فی ”نوادر الاصول“ باسنادہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہ قال داؤد علیہ السلام یقرء الزبور بسبعین صوتاً وکان اذا اراد یبکی نفسہ لم یبق دابّۃ فی برٍ ولا بحر الاانصت

بحث شروع کرتا ہوں اور اسکے اصول میں ایک کتاب لکھ کر اسے دس اصول اور بکثرت فصول پر مرتب کرکے پیش کرتا ہوں ۔

اصل اول در بیان حقیقت سماع !

لفظ سماع ، مشترک ہے (جسکے متعدد معنیٰ ہیں) اور بعض اہل لغت کے نزدیک اسم جامد بمعنی سُرور و مسرت کے ہیں جیسا کہ "تاج الاسامی" میں ہے اور اکثر کے نزدیک یہ مصدر بمعنی سَمِع یعنی سننے کے ہے جو کہ مسموع یعنی سُنے ہوئے کے معنی میں مستعمل ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے یہ کتاب سماع ہے یعنی سُنی ہوئی ہے لیکن سماع کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ یہ وہ مرغوب دل آویز آواز ہے جو صوتِ حسن اور کلام موزوں سے مرکب ہے یہاں تک کہ جب لفظ سماع کو مطلقاً بولا جاتا ہے تو فہم انسانی اسی معنی کی طرف جاتا ہے یہ اصطلاحی معنی اس کے لغوی معنی کی رعایت سے ہے اور یہی اصل ہے ۔ درحقیقت سماع ، غنا یعنی گانے کا بالکل غیر ہے کیونکہ "غنا" اسے کہا جاتا ہے جو حسن صوت کے ساتھ مُغنیہ سے اشعار سُنے جائیں اور مغنیہ اُن عورتوں کو کہا جاتا ہے جو بے پردہ اپنے حُسن و جمال کی زیب و زینت دکھاتی اور گاتی ہیں جیسا کہ شیخ عارف باللہ ابوطالب مکیؒ نے "قوت القلوب" میں اس کا اشارہ فرمایا کہ اغانی یعنی گانے وہ چیز ہیں جو عورتیں گاتی ہیں اور انہیں اسی لیے وضع کیا گیا کہ وہ خواہشات نفسانیہ کو ابھاریں اور لہو لعب کا شوق پیدا کریں شیخ کا قول حجت مانا جاتا ہے کیونکہ وہ لغت عرب کے مسلّم ماہر اور تقویٰ و ورع میں کامل مشہور ہیں ۔ لہٰذا غنا یعنی گانا حرام ہونے سے سماع کو کبھی حرام نہیں قرار دیا جا سکتا ۔ کیا تم نے یہ مسئلہ نہیں دیکھا کہ جس نے قسم کھائی کہ وہ گوشت نہیں کھائیگا تو اگر اس نے مچھلی کا گوشت کھا لیا تو سیدنا امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک حانث یعنی قسم توڑنے والا نہ ہوگا اس لیے کہ لحم (گوشت) التحام سے مشتق ہے جسکے معنی سخت پیوستگی کے ہیں چونکہ مچھلی کے گوشت میں التحام (سخت پیوستگی) موجود ہی

يسمعن صوته فالصوت الحسن اذا كان معجزة النبی فاستماعه واجب كذالك

حكم استماع السماع اذا حق المعجزة هو الاظهار والمشاهدة و القبول اما قوله

عليه الصلوة والسلام صوتان ملعونان صوت بكاء عند المصيبة وصوت مزمار

عند نعمة فهو دليل الاباحة لان مفهوم الخطاب يقتضى اباحته فى غير

هذه الاحوال والا بطل التخصيص فافهم۔

الاصل الثالث فی المزامير

المزمار آلة توجد بها الاصوات الموزونة وهی بالنظر الی نفسها مباحة كما

ذكرنا واما الحرمة فلعلة اخر وهو تذكر شرب الخمر كما روی عن

الثقات عن النبی صلی الله عليه وسلم ان احرم الخمر المحرم المزامير اذ الناس

يضربون وقت شربها فحرم ضربها لتذكره اياه وهو قبيح لمعنى غيره

فاذا كانت هذه العلة مفقودة يفقد الحرمة ضرورة ولهذا ابيح ضرب

الطبل فی حروب وضرب الشح فی الاوقات الحسنة وغير ذالك فثبت به

ان الحكم يتغير العلة واذا كانت النفس منزهة عن اللهو وموصوفة بالصفوت

والذكاء مشتاقة الى مشاهدة الله ولقائه فاصوات المزامير داعية

من الكدر الى الصفاء ورفعته عن السفل الى العلى اذ الصوت الحسن قوة

الارواح وقوتها فی سيران عالم الملكوت ويؤيده قول ذو النون المصری

حين سئل عن الصوت الحسن فقال مخاطب واشارات اودعها الله تعالى كل

طيب وطيبة فاستماعه لها مباح لفقدان العلة قياسا على ضرب الطبل

فی الحروب الا ترى ان النبی صلی الله عليه وسلم جوز ضرب الدف فی النكاح

لاعلان كما جاء فی الخبر من الصحاح ۔اعلنوا النكاح ولو بالدف وفی ايام

الاعياد والسرور لحديث اخر لاظهار الطرب الا ان فی صوته وصفين الاطراب

والاعلان فالاطراب لموقيته والاعلان لشدته فبالنظر الى هذين

نہیں ہوتی، تو وہ حقیقتاً اسکے حکم میں داخل ہی نہیں ہے لہٰذا یہی حال سماع کا ہے جو کہ غنا کے حکم سے خارج ہے اسلیے کہ غنا، غزانی یعنی گانے والیوں سے سُنا جاتا ہے اور سماع میں یہ بات نہیں ہے اس لیے سماع مطلق ہے اور غنا مقید ہے لہٰذا مطلق مقید کے حکم سے خارج ہوتا ہے پھر جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ سماع، حکمِ غنا سے خالی ہے، تو اب وہ بالاتفاق مباح ہے اس لیے کہ "سماع" صوتِ حسن اور کلامِ موزوں سے مرکب و مجموع ہے، اور شریعت میں ان دونوں کا سننا اپنی ذاتی خوبی کی بنا پر ہر ایک کے لیے جائز ہے۔

اصلِ دوم | اچھی آواز کا سُننا

صوتِ حسن (اچھی آواز) ایک نعمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش میں زیادہ کیا ہے، تو اس کی ادائیگی مستحسن ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندہ پر عمدہ نعمت کا افضال ہے اور یہ اپنی ذات میں بھی حسن ہے اور اس کا سُننا بھی مستحسن ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس احسان کو جتایا ہے جیسا کہ قرآن پاک میں ہے "وَیَزِیْدُ فِی الْخَلْقِ مَا یَشَآءُ" اور پیدائش میں جو چاہتا ہے زیادہ فرماتا ہے" بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ زیادتی حسنِ صوت ہے اور بعض مفسرین نے خلق یعنی پیدائش کی جگہ خُلق یعنی خصلت پڑھا ہے اور یہ قرات بہت ہی شاذ ہے اور اسی حسنِ صوت کیساتھ انبیاءِ کرام علیہم السلام برگزیدہ فرمائے گئے ہیں چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعث النبی قط الا حسن الصوت (انبیاء کو حسن صوت کیساتھ مبعوث کیا گیا ہے) تو اسکے حظ و تلذذ شکر نعمت اور یہ واجب ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ۝ تم اپنے رب کی نعمت پر خوب شکر کرو) لہٰذا حدیث پاک کا اقتضا ہے کہ تلذذ واجب ہے اور صوتِ قبیح یعنی مکروہ آواز، تو ناپسندیدہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِیْرِ

وصفین اباح السماع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وضربہ فما دونہ من المزامیر یقاس علیہ اذا صح منہم موجودۃ بوجود العلۃ فیفقد فانہا مفقودۃ وبہذا الاستدلال حمل الامام الغزالی اصوات المزامیر علی اصوات الطیور التی یکون لہا حسن الترنم واباح استماعہا فبذالک سمع بعض المغلوبین السماع المزامیر فی غلبات الشوق واما سماع مشائخنا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فبری عن ہذا التہمۃ فہو مجرد صوت القوال مع الاشعار المشعرۃ من کمال صنعت اللہ تعالیٰ ۔

الاصل الرابع فی شعر

الشعر کلام موزون مشعر عن المعانی الدقیقۃ یصدر عمن لہ لطیف الطبع فہو اذا کان فی الموعظۃ والحکمۃ وشرح صنع اللہ تعالیٰ فاوقع فی قلب السامع ویمد الشوق الی الصانع کما جآء فی الخبرات من الشعر لحکمۃ ای ماہو فیہ من الفوائد وقع فی الفواد موزونیتہ فہی حکمۃ جالفۃ لتاثیر القلوب والطبع الموزون من مواہبہ تعالیٰ یؤتیہ من یشاء لا صنع فیہ العبد کالصوت الحسن بل ہو اشرف منہ لانہ صفۃ مخصوصۃ للانسان وفی الصوت الحسن مشارکۃ مع الطیور وما دونہا من المزامیر فہو ایضاً نعمۃ مخصوصۃ من عندہٖ تعالیٰ الی عبدہٖ فلا قبیح فی نفسہٖ اصلاً الاترٰی ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم امر حسّان بن ثابت لانشاء حتیٰ ینشیٔ الشعر فی مجلسہ الشریف وینشد وضع المنبر حین النشاء وقال اجب یا حسّان وروح القدس معاً کما ذکر القشیری فی ہذا الخبر فی کتابہ بالاسناد الصحیح فاذا کان الشعر من اثر الوحی فلا سبیل لانکارہٖ ویؤیدہٖ قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ کنز تحت العرش للانسان مفاتیحہا السنۃ الشعرآء وہٰذا مما سماہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الحکمۃ کالشرع لان نزولہ من مقامۃ العلی فثبت انہ حسن المعنی فی عینہٖ کہو فلا قبیح فیہ الا بالعارض فی المواضع ۔

یعنی سب سے بدتر آواز گدھے کی آواز ہے تو ثابت ہوا کہ اس کی نقیض یعنی حسن صوت محمود و پسندیدہ ہے اس لیے کہ ہر شے اپنی ضد و نقیض سے پہچانی جاتی ہے اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام کا یہ معجزہ تھا اور خدا کی نشانیوں میں سے حسین صورت خدا کی ایک نشانی تھی اور اس کی تاثیر قلوب میں بہت تھی اور یہی سبب تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی مجلس سے بکثرت جنازے اٹھائے جاتے تھے، جیسا کہ ثقہ راویوں سے مروی ہے کیونکہ زبور کی قرارت کیوقت حضرت داؤد علیہ السلام کی آواز انس و جن اور وحش و طیور سب سنتے تھے اور آپ کی مجلس میں سے چار سو سامعین کی مردہ لاشیں اٹھائی جاتی تھیں اور حکیم ترمذی "نوادر الاصول" میں بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کرتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام ستر آوازوں سے زبور کی تلاوت کرتے تھے اور جب آپ اس میں روتے، تو خشکی و تری کا کوئی جانور ایسا باقی نہ رہتا جو آپ کی آواز پر روتا نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ جب حسن صوت کا معجزہ ہے تو اسکا سننا بھی واجب ہے یہی حکم سماع کے سننے کا ہے۔ کیونکہ معجزہ کے حقوق میں سے ہے کہ اسے ظاہر کریں، مشاہدہ میں لائیں اور قبول کریں۔

اب رہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ دو آوازیں ملعون ہیں، ایک مصیبت کے رونے کی دوسری خوشی کے وقت مزامیر یعنی باجے کی، تو یہ دلیل اباحت کی ہے کیونکہ خطاب کا مفہوم، اس کے ماسوا دوسری صورتوں میں اباحت کا مقتضی ہے، ورنہ تخصیص کا بطلان لازم آتا ہے۔ فافہم

اصل سوم در بیان مزامیر

مزمار، بجانے کا ایک آلہ ہے جس سے موزوں آواز پیدا ہوتی ہے یہ آلہ باعتبار اپنی ذات کے مباح ہے جیسا کہ بیان گزر چکا لیکن شریعت میں اسے حرام قرار دینے کی علت اور سبب ہے اور وہ علت و سبب شراب پینے کی یاد دلانا ہے

القبیحۃ کالفحش والاستہزاء و تزیین المخطورات الشرعیۃ والھجو لرسول والمؤمنین وطعن الدین کما فعل الشعرآء الکذابون عن الکفرۃ والفجرۃ فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقولہ تعالیٰ وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُھُمُ الْغَاوٗنَ ۝ محمول علیھم لا علی الشعرآء للذین یکون فی شعرھم شعائر الدین اذ الاشعار النصیحۃ مرویۃ عن اکثر الصحابۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہم والدلیل الظاھر علیہ ان الاشعار لقد انشد بین یدی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بل ھو المنشد ھا وھو دلیل الظاھر الاباحۃ فافھم

الاصل الخامس فی صوت الحسن وکلام الموزون وفی آلاتھما جمیعاً

فاذا ثبت ان سماع صوت الحسن والشعر من صنعت اللہ تعالیٰ جائز فثبت ان السماع مباح اذا اجتماع الحسن مع الحسن یوجب زیادۃ الحسن فیھا فھو حسن واستماعہ مستحسن ویشیر الیہ قولہ علیہ السلام زینوا القرآن باصواتکم فان الصوت الحسن یزید القرآن حُسناً فاذ القرآن حسنٌ فی نفسہ واداءہ بصوت الحسن سبب لزیادۃ الحسن فیہ لانقلاعہ فی قلب السامع فاذا کان الشعر موافقاً لمضامہ فیدخل فی حکمہ ایضاً فھو لایخلوا عن المعنیین فاما فی الموعظۃ الحسنۃ فاستماعہ حسن بالاتفاق واما فی صفۃ الحرد والامرد والنسآء الحسنآء فھو محمول علی اشعار حسن الحوار والغلمان فاستماعہ مستحسن ایضاً لتشویق المؤمن الی الاٰخرۃ وصوت الحسن یوکدہ عند الاستماع یوجب زیادۃ التوشیق الیھما وھو حسنٌ ولانہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم قصیدۃ کعب ابن ظھیر فی صدرھا ذکر حسن المرءۃ فتعین استماعہا کما قال الشعر بانت سعاد ” فقلبی الیوم مبتول الی ھذا ھیفاء مقبلۃ عجزاء مدبرۃ وفیہ صفۃ عجزاء ۔ فثبت ان ذکر المصنوع لامرد والنسآء جائز فی الشرع استماعہ بالصوت الحسن مستحسن لانہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالقبول وقال من حفظ ھذہ القصیدۃ فلہ الجنۃ وروایۃ انہ صلی اللہ علیہ وسلم

جیسا کہ ثقہ راویوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث مروی ہے کہ جب شراب حرام

قرار دیدی گئی، تو مزامیر کو بھی حرام کر دیا گیا، کیونکہ لوگ شراب پیتے وقت اسے بجاتے تھے تو اسکا بجانا خصوصیت سے شراب یاد دلانے کی بنا پر حرام کر دیا گیا تو اسکی قباحت، اسکے غیر کی وجہ سے ہے، پھر جب اسکی علت ناپید ہو تو لامحالہ حرمتِ مزامیر بھی مفقود ہو گی۔ اسی وجہ سے جنگ کے وقت نقارہ بجانا اور اوقات حسنہ میں شیخ (دف) کا بجانا اور اسی قسم کے دیگر باجے مباح ہیں۔ اب ثابت ہو گیا کہ علّت کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے پھر جس وقت کہ انسان کا نفس لہو ولعب سے پاک، پاکیزہ صفات سے متصف اور دیدار مشاہدہ الٰہی کا مشتاق ہو، تو اس وقت مزامیر کی آواز، کدورت سے صفائی کی طرف اور پستی سے بلندی کی طرف ابھارتی ہے۔ اسلئے کہ صوتِ حسن، عالم ملکوت کی سیر میں ارواح کی غذا ہے اس کی تائید حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول بھی کرتا ہے، جب ان سے کسی نے صوتِ حسن کے بارے میں سوال کیا، تو فرمایا یہ خطاب واشارہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر پاک مرد اور پاکیزہ عورت میں ودیعت فرمائی ہے تو صوتِ حسن کا سننا ہر مرد و عورت کے لیے مباح ہے کیونکہ حرمت کی علت مفقود ہے اور طبل جنگ پر اسے قیاس کرنا چاہیئے، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان نکاح کے لیے دف بجانے کو جائز قرار دیا ہے، جیسا کہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نکاح کا خوب اعلان کرو اگرچہ دف کے ساتھ ہو۔ اور ایک اور حدیث میں عیدین اور دیگر خوشی کے دنوں میں اظہار مسرت کیلیے اس کا جواز آیا ہے۔ باخبر رہنا چاہیئے کہ دف کی آواز کی دو صفتیں ہیں، ایک اظہارِ مسرت، دوسرے اعلان کرنا لہذا "اظہارِ مسرت" اسے موزون بجانے اور "اعلان کرنا" اسے زور سے بجانے پر موقوف ہے، لہذا ان دونوں وجہوں اور صفتوں پر نظر رکھتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ

سمعها بالالحان فی المسجد فبھذا الاستدلال اباح المشائخ السماع بالاتفاق ـ
فاما ضرب الید علی الید فعند البعض استحسانه لاطراب القلوب المستمعین واظهار
التواجد وھو محمول علی ضرب الدف وروی البعض انه ضرب الاعرابی ھٰکذا بین
یدی رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم عند انشاء الشعر بالالحان حتی تواجد النبی
علیه السلام مع الصحابة رضوان اللّٰه علیهم ـ

اصل السادس فی شروط الاباحة

اجمع الصوفیة والمحدثون ان السماع بالنظر الی نفسه مباح والعلة للحرمة
الملاھی وماروی الفقهآء من الاخبار والاٰثار فی حرمته فھو محمول علیه
وبفقد انها فقد الحرمت قال شیخنا **نظام الملة والدین**
قدس اللّٰه سره العزیز وھو مقتدآء علمآء الدین ویکون له مقام الاجتهاد
فی عصره السماع فی نفسه مباح وانما اختلف حکمه فی احد امور الاربعة
لابد السماع منها وھو المسمع[۱] والمسموع[۲] والمستمع[۳] والة الاستماع[۴] فی الذی فی المسمع
ان یکون من یسمع مظنة الفتنة وفی المسموع ان من الشعر ما نھی عن مثله
الشرع ما نھی عن مثله الشرع وفی المستمع ان یرید السماع فی الھوآء ویدعوه
الی التقنع والریاء وفی اٰلته ان یکون شیئاً من المزامیر فاذا کان السماع منزھاً
من ھذه العوارض فھو مباح بالاتفاق وھو دلائل من المعقول والمنقول
والمعقول لما ذکرنا والمنقول فنذکره فی الاصول ـ

الاصل السابع فی متمسکاته من الاٰیات

قال اللّٰه تعالیٰ فَبَشِّرْ عِبَادِیَ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ الاٰیه
فالقول یقتضی التعمیم والاستغراق والدلیل علیه انه مدحهم باتباع الاحسن
اذ تفضیل الشیء علی نفسه لایجوز فثبت ان المراد به جنس القول من کلامه
تعالیٰ وکلام المخلوق ـ لوکان الالف واللام بدلاً من المضاف الیه کما

کو اسی پر قیاس کرنا چاہیئے اس لیئے کہ مزامیر کی حرمت علت کے پائے جانے پر موقوف ہے، اگر علت مفقود ہے تو حرمت بھی مفقود ہے اسی دلیل سے امام محمد غزالی رحمۃ اللہ نے مزامیر کی ان پرندوں کی آواز پر محمول فرمایا ہے جن پرندوں میں حسن ترنم ہے، اور اس کا سننا مباح کہا ہے اسی سبب سے بعض مغلوب الحال حضرات نے بوقت غلبۂ شوق مزامیر کا سماع کیا ہے۔ لیکن ہمارے مشائخ کرام رحمہم اللہ کا سماع اس تہمت سے بری ہے۔ اُن کا سماع، صرف قوال کی آواز، اور ایسے اشعار کے سُننے پر منحصر تھا، جو اللہ تعالیٰ کی کمال صفت پر مبنی ہوں۔

اصل چہارم ✽ در بیان شعر

شعر وہ کلام موزوں ہے جو دقیق معانی کی طرف اشارہ کرتا ہے، اور اس کا صدور صاحب طبع لطیف سے ہوتا ہے چنانچہ جب یہ شعر، موعظت و حکمت اور اللہ تعالیٰ کی کمال صنعت گری کی شرح پر مبنی ہو، تو یہ سامع کے دل پر اثر انداز ہو کر صانع حقیقی کی طرف اس کا شوق بڑھتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ اِنَّ من الشعر لحکمۃ (بلاشبہ بعض شعر میں یقینی حکمت ہے) یعنی اس میں متعدد فوائد ہیں اور اپنی موزونیت کی بناء پر قلوب پر اثر انداز ہوتے ہیں، تو یہ تاثیر قلوب کے لیے مؤثر حکمت ہے اور طبع موزوں تو خدا کی عطا ہے، اللہ تعالیٰ جسکو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس میں بندہ کی کوئی صنعت گری نہیں ہے جیسے کہ صوت حسن ہے بلکہ طبع موزوں حسن صوت سے زیادہ بزرگ و مشرف ہے اس لیے کہ طبع موزوں ایسی صفت ہے جو انسان کے ساتھ خاص ہے اور حسن صوت میں انسان کے ساتھ پرندے اور ماسوا ان کے مزامیر بھی شریک ہیں تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کیجانب سے بندہ کے لیے خاص نعمت ہے۔ لہٰذا شعر میں فی نفسہ کوئی قباحت نہیں ہے کیا تم نے نہیں دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو شعر موزوں کرنے کا حکم

اراد الزاهدی، ای لیستمعون قولی فالشعر اذا کان موافقاً لمعناه یدخل فی حکمه ایضا۔

الثانیہ قوله تعالیٰ وَأُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ وهو ما یکون به طیب النفس الا ان یکون حرمته منصوصة اذ الاصل فی الاشیآء الطهارة والسماع ، اطیبها لان به طیب القلب وروح الروح فهو ایضاً حلالة بدلالة النص۔

الثالث قال الله تعالیٰ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ٥ ان الله تعالیٰ مَنَّ به علی العباد وهو لیشتمل کل المسموعات الا ما یدعو الی الفسق فالسماع الذی لیس له محظورات الشرعیة شیٔ فهو داخل فی حکمة وقوله تعالیٰ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ فهذه النصوص ماولة وفیها اقوال المفسرین قال لبعضهم لهو الحدیث هو السحر والکهانة وفی السرور هو اللعب والاستهزاء وفی الصوت هو الذی یدعوا الی الفساد وقال لبعضهم هی الغناء فتعین القول البعض لیس بواجب کما ذکره ان سلم تاویلهم فالتوفیق بین الاقوال ممکن اذ المراد بها غناء الجاهلیه وهی استماع اشعار اللتی تکون فیها قصآء حروب الکفار وذکر معاشقتهم ووصف اصنامهم فالاصل ان اللهو واللعب والدعوت الی الفساد فیه موجود والدلیل علیه اخر ایته اولی لیضل عن سبیل الله فالسماع الذی یفتح سمع الاغنیاء ویدعوا الی سبیله تعالیٰ بترك الالتفات عمّا سواه خارج عن حکمه ولهذا اول ابن مسعود رضی الله تعالیٰ عنه لهو الحدیث بالشعر واستماع الشعر فی نفسه لیس بحرام لانه سمع النبی صلی الله علیه وسلم وانشده الصحابة رضی الله تعالیٰ عنهم فالحرمت فیه لعارض وهو الاستهزاء فی الدین والاضلال وتزئین الکفر فی قلوب المؤمنین کما ذکرنا فی نشان الشعرآء الضالین فحکمه صار فی الغناء ایضاً فهو اذا کان فارغاً عن هذه العوارض مباح بالاتفاق۔

فرماتے اور وہ حضور کی مجلس مبارک میں شعر موزوں کرتے تھے اور جب اشعار موزوں ہو جاتے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں سنانے کے لیے منبر رکھواتے، اور فرماتے اے حسان! کفار کی مذمت کرو، روح القدس یعنی جبرئیل تمہارے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ قشیری نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں اسنادِ صحیحہ کے ساتھ بیان کیا۔ اب جبکہ شعر اثرِ وحی کا جزو ہے، تو اس کے انکار کی کوئی راہ ہی نہیں اور اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی کر رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے عرش کے نیچے خزانہ مقرر کیا ہے اور اس کی کنجیاں شعراء کی زبانیں ہیں اور اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام رکھا ”الحکمۃ کالشرع“ یعنی شعر شریعت کے مانند حکمت ہے، کیونکہ نزولِ شعر مقامِ بلند سے ہوتا ہے تو ثابت ہو گیا کہ شعر فی نفسہ اپنے معنی میں حسن ہے اور فی نفسہ اس میں کوئی قباحت نہیں۔ البتہ اس میں قباحت کسی خاص عارضہ کے سبب ہوتی ہے جو کسی قبیح مقصد یا کسی بُرے مقام کے لیے موزوں کیا گیا ہو۔ مثلاً فحش، استہزاء، ممنوعاتِ شرعیہ کی تعریف و تزئین، رسول اللہ اور مسلمانوں کی بدگوئی اور دین اسلام پر طعنہ زنی وغیرہ، جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حیاتِ ظاہرہ کے عہد مبارک میں فاسق و فاجر کفار کے شعراء کہتے تھے اور انہی بدگو شعراء کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا الشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ (شعراء گمراہوں کی پیروی کرتے ہیں) تو یہ کفار کے شعراء پر محمول ہے، نہ کہ ان شعراء اسلام پر جنکے اشعار دین اسلام کے شعائر میں ہیں اسلیے کہ نصیحت آمیز اشعار اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مروی ہیں اور اس پر دلیل ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اشعار موزوں کیے گئے بلکہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشعار پڑھے ہیں تو یہ دلیل اباحتِ شعر یاس بالکل ظاہر و واضح ہے وافہم

الاصل الثامن فی متمسکاتہ من الاخبار المشہور

منہا ماروی الثقات عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بالاسناد الصحیح ان ابا بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ دخل علیہا وعندھا جاریتان تغنیان وتضربان بدفین ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم متغش بثوبہ فانتہرھا ابوبکر فکشف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وجہہ وقال دعہما یا ابا بکر فانہا ایام عید وفی روایۃ اخری قال ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مزمار الشیطان مرتین فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم دعہما یا ابا بکر فان لکل قوم عید وعید نا ھذا الیوم فنہر ابی بکر یدل علی حرمتہ السابقۃ لعلت التلہی والدعوت الی الفساد واللتی توجد فی غناء الجاھلیۃ وتسلیم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیشیر الی اباحۃ اللاحقۃ وبالنظر الی الاصل وھو الصوت والکلام الموزون المشحون من الحکمۃ والموعظۃ وحب اللہ تعالیٰ فاذا کان غناء الجاھلیۃ حراماً منتجاً للسکر والاصنام فکان غناء الاشعار اللتی یکون فیہا ذکر الالاھیۃ النعمہ والنعمائہ الموعدۃ منتجاً بتزئین الاسلام فی القلوب والدعوۃ الی دار السلام عند علام الغیوب وکذالک قال الصوفیہ السماع محرک القلوب الی عالم الغیوب فان قلت اذا کانت اباحتہ مقیدۃ فی یوم العید فکیف یدل علی استماعتہ فی غیر ذلک الوقت قلت المراد بالعید بہ السرور والدلیل علیہ ذکر الایام ویؤیدہ قولہ تعالیٰ رَبَّنَآ اَنۡزِلۡ عَلَيۡنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ الی الاخر امیہ یکون بعد الاولنا واخرنا فالمراد بہ اعادۃ السرور فثبت ان کل یوم یعود بالسرور فھو عید و

منہا ماروی عن عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قالت کانت عندی جاریۃ من الانصار فزوجتہا الی رجل من الانصار فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا عائشۃ الا تغنین ھذا الحی من الانصار فانہم یحبون الغناء فھذا الحدیث دلیل اباحتہ مطلقۃ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصف الانصار بحب الغناء

اصل پنجم در بیان اباحتِ صوتِ حسن و کلام موزوں

اب جبکہ یہ ثابت ہو گیا کہ صوتِ حسن (اچھی آواز) اور ایسے اشعار جن میں اللہ تعالیٰ کی صنعت گری کا بیان ہو، سننا جائز ہے تو ثابت ہوا کہ سماع مباح ہے اس لیے کہ نیکی کا نیکی کے ساتھ جمع ہونا، نیکی کی زیادتی کو واجب کرتا ہے، لہٰذا سماع حسن و نیک ہے اور اس کا سننا مستحسن ہے اور اس کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اشارہ ہے کہ زَیِّنُوا القرآن باصواتکم، تلاوتِ قرآن کو اپنی آوازوں سے سنوارو، کیونکہ صوتِ حسن سے قرآن کے حسن کو بڑھاتا ہے اس لیے کہ جب تلاوت قرآن فی نفسہٖ حسن ہے تو صوتِ حسن سے اسکی تلاوت، سامع کے دل میں اثر کرنے کے لیے مزید حسن کا موجب ہے لہٰذا جب شعر معانی قرآن کے موافق ہو، تو یہ بھی اس کے حکم میں داخل ہے چنانچہ شعر دو معنی سے خالی نہیں، یا تو اس میں موعظہ حسنہ ہو گا، تو اس کا سننا باتفاق حسن ہے یا وہ مردوں لڑکوں اور حسین عورتوں کی صفت میں ہو اور اسے جنتی حور و غلمان کے حسن پر محمول کیا گیا ہو تو اس کا سننا بھی مسلمانوں کو آخرت کا شوق دلانے کے لیے مستحسن ہے اور صوتِ حسن چونکہ شعر کے سننے کی طرف راغب کرتی اور اس کی طرف شوق بڑھاتی ہے لہٰذا یہ بھی حسن ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب بن ظہیر کے اس قصیدہ کو سنا جس کے شروع میں حسین عورتوں کا ذکر ہے تو اس کا سننا متعین ہو گیا، چنانچہ کعب کا شعر ہے ؎

بانت سعاد فقلبی الیوم متبول (الی ھٰذا) ھیفاء مقبلۃ عجزاء مدبرۃ

یعنی سعاد جدا ہو گیا۔ آج میرا دل غمگین ہے (اس مصرعہ تک) اگر سامنے دیکھو تو اس کی کمر باریک ہے اور اگر پیچھے دیکھو تو اس کے سرین موٹے ہیں اس قصیدہ کے اس مصرعہ میں سرین و کمر کی تعریف ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ کسی مرد و عورت کی ساخت و خلیف کا ذکر شریعت میں جائز ہے اور صوتِ حسن سے اس کا سننا مستحسن ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ صرف اس قصیدہ کو سنا، بلکہ پسند فرما کر فرمایا جس نے اس

وقد قال اللہ فی شان اصحابہ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَیْكُمُ الْاِیْمَانَ وَزَیَّنَهٗ فِیْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَرَّهَ اِلَیْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْیَانَ ۔ فلو کان الغناء معصیۃ لکان
علیہم مکروھا لامحبوباً فثبت بہ ان استماعۃ مستحب فی کل الازمان فلا یخص
فی الولیمۃ اذ الحب لا یتعین فی وقت دون وقتٍ فیشمل کل الاوقات وفی
اباحتہ کثیر من الاخبار المسندۃ من حیث لا یحصی عدھا ونحن اکتفینا بالحدیثین
اذھما کافیان للشہادۃ وما روی الفقہآء من الاخبار عن ابی امامۃ وجابر
وغیرھا رضی اللہ تعالیٰ عنہم فی حرمتہ فلا یتصل لصحت الاسناد فلا یعتبر عند
المحدثین کما ذکر الشیخ مجد الدین رحمۃ اللہ علیہ فی کتابہ "صراط المستقیم"
ولو اعتبر فلا یعارض حدیث عائشۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لانہا اشہر فقہآء
منہ ولو تأملت فیہما العرفت ان کل واحد منہا دلیل علیٰ اباحتہ فالاول
ماروی عن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ انہ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام
ما من رجل یرفع صوتہ فی الغنآء الا لعث اللہ علیہ الشیطانین احدھما
علیٰ ھٰذا المنکب والاٰخر حتیٰ علیٰ ھٰذا المنکب فالوعید یرجع الی رفع الصوت
عند الغنآء لا الی السماعۃ فلا حجۃ للمنکر فی حرمتہ اذ ھو یزاحمہ عند
الاستماع فھو ممنوع لمن اجہر فیدل علیٰ جواز استماعہ الا تریٰ ان الناس
امروا بالاستماع والانصات عند تلاوۃ القرآن اذا التکلم یزاحم الاستماع
والاٰخر ماروی عن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام
والہ علیہ السلام ان ابلیس اول من ناح وتغنی فھو ماؤل بالنیاح بالرباء
و تقییرو اللھو والاستہزاء اذ نوحۃ علی فوت العبادۃ والغنآء لطیب
القلب فلا یشبہ فھو مباح کما ثبت فبھذا یحصل التوفیق بالاخبار
ھو الاصل اما قولھم الغنآء حرام والجلوس فیہا فسق والتلذذ بہا کفر فھو
افتراء محض عنہ لیس فیہ رفق کلامۃ علیہ السلام اذ التلذذ بالحرام ولف

قصیدہ کو یاد کرلیا، وہ جنتی ہے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ حضور نے اس قصیدہ کو مسجدِ مبارک میں لحن کے ساتھ سماعت فرمایا لہٰذا اس استدلال سے مشائخ کرام نے باتفاق سماع کو مباح قرار دیا ہے۔

اور اب ہاتھ پر ہاتھ مار کر تالی بجانا اتو یہ بعض کے نزدیک سننے والوں کے دل کو خوش اور اظہارِ تواجد کے لیے مستحسن ہے، اسے دَف بجانے پر محمول کرتے ہیں چنانچہ بعض روایتوں میں ہے کہ ایک اعرابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خوش الحانی سے شعر سناتے وقت ایسا کیا ہے، یہانتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ وجد میں آگئے یعنی جھومنے لگے۔

اصل ششم۔ در بیان شروط اباحتِ سماع

صوفیاء عظام اور محدثین کرام کا اجماع ہے کہ نفسِ سماع اپنی ذات میں مباح ہے، اور اس کے حرمت کی علت لہو و لعب ہے اور فقہاء کرام نے جو کچھ اخبار و احادیث سے نقل فرمایا ہے، وہ سب اسی لہو و لعب پر محمول ہے اور جہاں لہو و لعب مفقود ہو وہاں حرمت بھی مفقود ہوتی ہے جیساکہ ہمارے شیخ المشائخ نظام الملتہ والدین محبوب الٰہی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا، وہ علماءِ دین کے مقتدا اور اپنے زمانہ کے صاحبِ فکر و قیاس، بلند مقام کے مالک تھے۔ فرماتے ہیں کہ سماع فی نفسہٖ مباح ہے البتہ ان چار باتوں میں سے کوئی بات موجود ہو، تو حکم مختلف ہوتا ہے، یہ چاروں باتیں سماع کے لیے ضروری ہیں ایک تو سنانیوالے، دوسرے کلام مسموع، تیسرے سننے والے، چوتھے آلۂ سماع ہے۔

مطلب یہ کہ سنانے والا (مسمع) وہ ہو جس میں فتنہ کا گمان نہ ہو (یعنی مغنیہ مخنث اور نوعمر لڑکے نہ ہوں) اور کلام مسموع ایسے اشعار ہوں جن کی شکل میں شرعی مخالف نہ ہو، اور سننے والے ایسے ہوں جن میں سماع، خواہشات کو نہ ابھارے اور تصنع و ریا ان میں نہ ہو، اور آلۂ سماع یعنی ساز کی قسم سے نہ ہو، لہٰذا ایسا

کان اذا لیس یکفر عند اھل السنۃ والجماعۃ فھذا القول یرجع الی عقیدۃ

اھل بالسواء فلا یعتقد بہ ؎

الاصل التاسع فی آثار المرویۃ عن الثقات

روی الشیخ العارف ابوطالب مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن کثیر من السلف

صحابی وتابعی وغیرھم ان السماع مباح وسمع کثیر من الصحابۃ والتابعین

وقولہ معتبر بوفور علمہ وکمال حالہ وعلمہ باحوال السلف وقال ان

انکر ھذا السماع مجملا مطلقا غیر مقید ومفصلا یکون انکار علی سبعین

صدیقاً وان کنا نعلم الانکار اقرب الی طبع القراء المتزاھدین وانا لانفعل

ذلک لانا نعلم مالا یعلمون وسمعنا من السلف الصالح مالا یسمعون وقال

ایضاً ان المنکر للسماع علی الاطلاق من غیر تفصیل لا یخلوا من احد الآفات

الثلثۃ اما جاھل بالسنن والآثار واما معتمد بما ابیح لہ من اعمال الاخیار

واما جامد الطبع لا ذوق لہ وھو کحمار یحمل اسفارا، وذکر فی کتاب

البیان فی الفقہ روی عن عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہ کان عندہ

جاریتان تغنیان فلما کان وقت السحر قال امسکا فان ھذا وقت الاستغفار

وروی الشیخ عبد الرحمن السلمی باسناد عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما

انہ سئل عن الغناء فقال لا باس بہ اذا لم یکن معہ شراب وفی تھذیب

الامام الشافعی ان عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اذا خلا فی دارہ یترنم بالبیت

او بیتین فاستاذن علیہ عبد الرحمن بن عوف وھو یترنم فقال سمعتنی

یا عبد الرحمن فقال نعم اذا خلونا منازلنا نقول کما تقول فثبت بھذا ان

الغناء لتطیب النفس مباح وھو متعارف بینھم وذکر الغزالی عن یونس

بن عبد الاعلی انہ قد سئلت الامام الشافعی عن اباحۃ اھل المدینۃ

السماع فقال لا اعلم احداً من علماء الحجاز ان یکرہ السماع الا ان یکون

سماع جو ان عوارض سے پاک و منزہ ہو، وہ بالاتفاق مباح ہے اس کیلیے عقلی و نقلی دلائل موجود ہیں۔ لہٰذا معقولی دلائل تو پہلے ذکر کیے جا چکے ہیں، اب نقلی دلائل آئندہ اصول میں مذکور ہیں۔

اصل ہفتم۔ دربیان دلائل از قرآن کریم

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ الآیہ آپ میرے اُن بندوں کو بشارت دیدیجیے جو قول کو سنتے ہیں اور اسکی عمدہ پیروی کرتے ہیں اس میں لفظ "قول" تعمیم و استغراق کا مقتضی ہے عام ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اُن بندوں کی تعریف فرمائی ہے جو احسن طریقہ پر اتباع کرتے ہیں اسلیے کہ اپنے نفس پر شے کی بزرگی جائز نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہوا کہ "قول" سے مراد جنس قول ہے جو کہ کلام باری تعالیٰ اور کلام مخلوق دونوں کو عام ہے اور اگر "القول" میں الف لام کو مضاف الیہ کا بدل مانا جائے جیسا کہ زاہدی نے مراد لیا ہے تو معنی یہ ہونگے کہ يَسْتَمِعُوْنَ قَوْلِيْ یعنی میرے قول کو سنتے ہیں، تو ایسا شعر جو قولِ الٰہی کے ہم معنی ہو، تو وہ بھی اسی کے حکم میں داخل ہوگا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبَاتُ یعنی پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کر دیں اور طیب وہ ہوتا ہے جس سے طبائع مسرور ہوں بجز اُن چیزوں کے جن کے بارے میں حرمت کی خاص نص موجود ہو اس لیے کہ اشیاء میں اصل حکم طہارت یعنی پاکی ہے، اور سماع پاکیزہ ترین ہے، کیونکہ اس سے دل کو خوشی اور رُوح کو تازگی ہوتی ہے، تو یہ بھی دلالت النص سے حلال ہے۔ تیسری دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ اور اللہ نے تمہارے لیے شنوائی اور بینائی اور دل بنائے، بہت کم ہیں جو احسان مانتے ہیں" بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے بندوں پر شنوائی کا احسان جتلایا، اور یہ شنوائی ہر

منہ فی الاصحاف منکرا اما قول ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ الغناء ینبت النفاق
فی القلب کما ینبت الماء البقل فھو دلیل علی اباحتہ اذ النفاق لا یصلح الا فی امر
صالح بان یکون الفاعل نیتا فاسدۃ فالنیۃ الفاسدۃ تفسد العمل فثبت
بہ ان الغناء فی نفسہ امر صالح بالاتفاق اما قول عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ما تغنیت
ولا تمنیت ولا مسست ذکری بید یمینی منذ بایعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
فھو محمول علی غناء الجاھلیۃ لتوفیق الاثار بین القولین وھو الاصل ولھذا
قال الشیخ فی السماع حلال وحرام وشبھۃ فمن سمع بنفس مشاھدۃ شرعۃ
وھوی فھو حرام المشابھۃ غناء الجاھلیۃ ومن سمع بطبع علی صفۃ مباح
من جاریۃ وزوجتہ کان فیہ دخول شبھۃ لھو ومن سمع بقلب سلیم
عن اللھو والطبع للاعتبار والانتباہ والشوق الی لقاء اللہ تعالیٰ فھو حلال
بالاتفاق ویومی الیہ اقوال الصوفیۃ قال ذی النون السماع وارد حق یزعج القلب
الی الحق فمن اصغی الیہ بحق تحقق ومن اصغی الیہ بنفس تزندق وکذا
قال الشبلی رحمہ اللہ حین سئل عنہ ظاھرہ فتنۃ وباطنہ عبرۃ فمن عرف
لاشارۃ حل لہ السماع والا فقد استدعی الفتنۃ وتعرض البلیۃ - فثبت بھا
ان السماع اللطیف غذاء الارواح لاھل المعرفۃ وبالنظر الی نفسہ حسن
لا قبیح اصلا اذ ھو حظ الارواح وبہ ھزت الاشباح کما قال ابو علی دقاق السماع
اللطیف غذاء الارواح لاھل المعرفۃ ولکن مختلف حکمہ بحکم المستمعین فمن حملہ
علی حق فلہ حق ومن حملہ علی ضدہ فلہ کذلک فھو کالرایحۃ الشجرۃ اذھب
علی البساتین یروح المشام بطیبہ واذا مررت علی المزابل یحرق نفسھا فالاحتیاط
علی قدر المستمعین قال الشیخ فی السماع ثلث مستمع ومستمع وسامع فالمستمع
یسمع بوقت والمستمع یسمع بحال والسامع یسمع بحق فالصفۃ المتسمع التواجد
وصفۃ المستمع الوجد وصفۃ السامع الوجود کما سنذکر فی ھذا الاصل -

ممنوع کو شامل ہے، بجز ایسی سماعت کے جو منجر الی الفسق ہو، لہٰذا وہ سماع
جس میں کوئی ممنوعاتِ شرعیہ نہ ہو، وہ خدا کے اس احسان کے حکم میں داخل ہے
اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُم بِصَوْتِكَ (کچھ
لوگ ایسے ہیں جو لہو کی بات کی طمع رکھتے ہیں) تو یہ دلیل ماؤل ہے اس میں مفسرین
کے کئی قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ "لہو کی بات" سے مراد سحر، کہانت، کھیل کود،
اور ہنسی مذاق ہے اور "صوت" سے مراد، ایسی بات ہے جو فساد پر برانگیختہ کرے اور بعض نے
کہا کہ اس سے گانا (غنار) مراد ہے۔ لہٰذا کسی ایک قول کو (بغیر دلیلِ شرعی اپنی رائے سے)
معین و خاص کر لینا واجب نہیں ہے۔ جیسا کہ اہل علم حضرات بیان کرتے ہیں اور اگر تمام
تاویلوں کو تسلیم بھی کر لیا جائے، تو اقوال کے درمیان موافقت ممکن ہے، وہ یہ کہ غنار
سے مراد زمانہ جاہلیت جیسا گانا ہے، اس میں ایسے اشعار ہوتے تھے، جن میں کفار کی
خوں ریزیوں کی داستانیں، ان کے معاشقے کے تذکرے، اور ان کے بتوں کی تعریف
ہوتی تھی۔ دراصل انکے گانوں میں کھیل کود، فساد پر برانگیختی موجود ہوتی تھی اور "لہو لعب
کی بات" ہونے پر دلیل، پہلی آیت کریمہ کا آخری حصہ ہے کہ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللهِ
(تا کہ اللہ کی راہ سے انھیں بھٹکایا جائے) لیکن مشائخ کرام کا سماع ایسا ہوتا ہے جس
سے غافلوں کے کان کھلتے ہیں اور وہ راہِ خدا کی طرف بلاتے ہیں اور ماسوی اللہ سے
ترکِ التفات کراتے ہیں ایسے سماع کا حکم، زمانۂ جاہلیت کے گانے کے حکم سے خارج ہے
اسی بنار پر سیدنا ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لھو الحدیث کی تفسیر شعر کیساتھ کی ہے
اور شعر کا سننا سنانا فی نفسہٖ حرام نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود
سنا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اشعار موزوں کئے۔ لہٰذا اس میں حرمت
کسی عارض کی بنار پر ہوگی، وہ دینِ حق کا استہزار، گمراہ کن باتیں اور مسلمانوں
کے دلوں میں کفری باتوں کو آراستہ کر کے بیان کرنا ہے جیسا کہ ہم نے گمراہ و بدین
شاعروں کے اشعار کی نشان دہی کی ہے تو ان کا حکم غنار یعنی گانے کے حکم جیسا ہے

الاصل العاشر فی بیان حقیقۃ التواجد

التواجد حرکۃ موزونۃ تصدر عن المستمع بلا اختیارہ عند غلبۃ السماع علیہ
فھو محسن اذ ھو یستدعی وجد القلب والوجد داعی الی وجود المحبوب ویؤیدہ
قول النبی علیہ السلام قال علیہ السلام حین اطلق معاویۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ التواجد
علی اللعب یا معاویہ لیس بکریم من یھتز عند سماع ذکر الحبیب وسئل الجنید
رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عن التواجد فقال ان اللہ تعالیٰ خاطب الارواح فی المیثاق
بقولہ اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ استغفریت عن ربھا بسماع الکلام فالارواح اذا سمعوا
السماع حرکتہم ذکر ذلک فالاھتزاز بہ لیس بمنکر لان النبی علیہ السلام فعل
کذا واصحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کذالک وقد روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام
قال لعلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت منّی وانا منک فحجل وقال لجعفر رحمہ اللہ تعالیٰ
علیہ اشبہت خلقی وخلقی فحجل وقال لزید رضی اللہ تعالیٰ عنہ انت اخونا ومولنا
فحجل والتحجیل عند الطرب وھو صفۃ للروح کما یشیر الجنید رحمۃ اللہ تعالیٰ
علیہ الیہ وتحریک بالقلب فالروح محرک والقلب متحرک فاذا کان الروح
یھتز بالنغمۃ والقالب رھینا بہ فلا یصدر عن المتواجد الا بحرکت الموزونۃ
اذ النغمۃ موزونۃ فلا سبیل لانکارہ لانہ یوجد بلا اختیار المتوجد فالتواجد
دون الرقص اذ ھو تحرک باختیار وللتصنع وھو فعل السفہاء والمتصنعین
عند غلبۃ الھواء فھو حرام بالاتفاق ۔ امّا حرکۃ التواجد فمتنوعۃ بتنوع
الاحوال حرکۃ تصدر عنہ عند التعب وھو کحرکۃ المذبوح عند الذبح وحرکۃ
توجد بھم عند الطلب وھی کحرکۃ النون عند مشاعات الیم عن الساحل وحرکۃ
تبعث منھم عند الطرب وھی کحرکۃ الفراش عند لقاء النور فالتعب للنفس والطلب
للقلب والطرب للروح فھذا الاھتزاز مختص باھل الکمال کما اھتز النبی صلی اللہ
علیہ وسلم مع اصحابہ عند سماع ھذا القصید قد الملومن الحب ۔۔۔

اور ایسے اشعار جو اِن عوارض سے پاک صاف اور خالی ہوں وہ بالاتفاق مباح ہیں ؛

اصل ہشتم ۔ در بیانِ دلائل از احادیثِ مشہورہ ؛

احادیثِ مشہورہ میں سے جن کو ثقہ راویوں نے بیان کیا ہے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی سندِ صحیح کے ساتھ یہ روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب انکے پاس آئے تو ان کے پاس دو بچیاں دف بجاکر اشعار سنا رہی تھیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادرِ مبارک لپیٹے تشریف فرما تھے، تو حضرت ابوبکر نے ان بچیوں کو جھڑکا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادرِ مبارک کو چہرۂ انور سے ہٹاکر فرمایا اے ابوبکر! ان کو چھوڑ دو، یہ عید کا دن ہے ایک اور روایت میں یہ ہے کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دو مرتبہ فرمایا "مزمار" (باجہ) شیطان ہے اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے ابوبکر! انھیں چھوڑ دو، ہر قوم کے لیے ایک عید ہوتی ہے، اور ہماری عید آج کا دن ہے ۔

لہٰذا سیدنا ابوبکر صدیق کو جھڑکنا، حرمت سابقہ پر دلالت کرتا ہے جسکی علت تلہی یعنی کھیل کود، اور فساد پر برانگیختی ہے جو کہ زمانہ جاہلیت کے گانوں میں پایا جاتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مان لینا اس طرف اشارہ ہے کہ بنظر اپنی اصلیت کے اس میں اباحت موجود ہے وہ خوش الحانی اور وہ کلامِ موزوں، جو موعظت و حکمت اور محبتِ الٰہی پر مشتمل ہو، ان کی اباحت ہے چونکہ جاہلیت کا گانا اسی بنار پر حرام تھا کہ وہ بت پرستی اور شراب نوشی پر ابھارتا تھا، تو وہ اشعار جن میں خدا کی نعمتوں کا ذکر ہو جو انھیں ملی ہیں، اور نتیجۃً دلوں میں اسلام آراستہ و مزین ہو، اور اور علام الغیوب کے نزدیک دار السلام (جنت) کی طرف شوق و رغبت پیدا کرے ایسے شعروں کا سننا و سنانا دونوں مباح ہیں اسی بنار پر صوفیار کرام فرماتے ہیں کہ عالم الغیوب کی طرف سماع دلوں کو حرکت میں لاتا ہے ؛

اب اگر تم یہ اعتراض کرو کہ حدیث پاک میں تو اباحت یوم عید کیساتھ مقید ہے

لقد لسعت حیۃ الھوی کبدی فلا طبیب لہٗ ولا راقی

الا الحبیب الذی شغفت بہ فعندہٗ رقیتی وتریاق

حتی سقط رداۂ عن منکبیہ فاذا کان التواجد فعل النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم و اصحابہ رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم فھو محمودٌ وان کان بالنظر الی ظاھرہٖ لعب کما نسبہ معاویہ رضی اللّٰہ عنہ حیث قال ما احسن لعبک یا رسول اللّٰہ فمنعہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم کما ذکرنا وکان لہٗ ظاھر وباطنٌ ظاھرہٗ حرکات امرئیۃ وباطنہ غلبات خفیہ فھو عند ارباب الصورۃ ھزل اذھم لا یطلعون علی الغلبات السریۃ ویحسنون الحرکۃ الصوریۃ وعند اصحاب السر جد اذھم یغلبون بالمشاھد السریہ ولا یشاھدون الحرکۃ الصوریۃ فھو الخبر المسند ینبئ عن ھاتین الحالتین وھو صحیح لا شبھۃ فیہ اما طعن ——— صاحب العوارف فیہ محمول علی قول معاویۃ رضی اللّٰہ عنہ فی اطلاق التواضب علی الحب فھو شیخ ذاکر شاکرٌ بنعمۃ اللّٰہ تعالیٰ لا یستفو عن ذکرہٖ لیلاً ونھاراً لیتہٖ او حجتہٖ اقرب الی صفوۃ الملائکۃ لیس لہ من حالۃ العشق و غلبۃ السماع شعور اذا لیس بینھما ملازمۃ مساویۃ لا یوجد احد بدون الآخر کما ذکر شیخنا نظام الحق والدین عن شیخ العارف نجم الدین قدس اللّٰہ سرھما فی "الفوائد الفوائد" قال فی شانہ فیہ کل نغمۃ ماھی تمکن البشر وجودھا فھی موجود الا نغمۃ الشوق ونغمۃ السماع فانہ ترھما مفقود لقوۃ الصحو والاشتغال بالتعبد فعلیٰ انہ لا یدل علی ضعف ھذا الخبر بل یرجع الی ضعف الحال لان صاحب "قوت القلوب" درج فیہ وھو اقرب الی عھد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم واعلم بالسنن والآثار ویعرف بصحتہ فافھم

تو اور دنوں میں اس کے سننے پر کیسے دلالت ہوتی ہے؟ تو میں جواب میں کہوں گا کہ عید کے دن سے مراد وہ دن ہے جس میں خوشی ہو اس پر وہ دلیل شاہد ہے جس میں حضور نے ایام اللہ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی تائید اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ہوتی ہے فرمایا رَبَّنَا اَنۡزِلۡ عَلَیۡنَا مَآئِدَۃً مِّنَ السَّمَآءِ (الی اٰخر الآیۃ) تَکُوۡنُ عِیۡدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا الآیۃ اے رب ہمارے ہم پر خوان نعمت آسمان سے اتار (یہانتک کہ) وہ ہمارے پہلوں اور بعد والوں کے لیے خوشی کا دن بنے۔" تو اس عید سے مراد عادۃ السرور یعنی بار بار خوشی کا دن آتا ہے۔ تو ثابت ہوا کہ ہر وہ دن جو مسرت و خوشی لائے وہ یوم عید ہے۔

دوسری حدیث احادیث مشہورہ میں سے یہ ہے جو سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ فرماتی ہیں میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی میں نے اس کا عقد ایک انصاری مرد سے کر دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! تم نے قبیلہ انصار کے گانیوالیوں کو کیوں نہ بلایا؟ کیونکہ انصاری لوگ غنا (گانے) کو پسند کرتے ہیں۔" تو یہ حدیث مطلقاً اباحت کی دلیل ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی صفت، غنا سے محبت کرنا بیان فرمائی۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شان میں ارشاد فرمایا کہ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ حَبَّبَ اِلَیۡکُمُ الۡاِیۡمَانَ وَزَیَّنَہٗ فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ وَکَرَّہَ اِلَیۡکُمُ الۡکُفۡرَ وَالۡفُسُوۡقَ وَالۡعِصۡیَانَ ○ لیکن اللہ نے ایمان کو تمہیں محبوب کرایا اور تمہارے دلوں میں اسے مزین کیا اور تم پر کفر و فسق اور گناہ کو مکروہ ناپسند کرایا۔" تو اگر مطلقاً غنا معصیت ہوتا، تو یقیناً یہ انہیں ناگوار و ناپسند ہوتا نہ کہ محبوب و مرغوب، لہٰذا ثابت ہو گیا کہ اس کا سننا ہر وقت مستحب ہے۔ یہ ولیمہ کے ساتھ خاص نہیں ہے اس لیے کہ محبت تعین کو گوارا نہیں کرتی کہ ایک وقت ہو اور ایک وقت نہ ہو۔ وہ ہمہ وقت شامل حال رہتی ہے اس کے ماسوا بھی مستند حدیثوں میں اس کی اباحت ثابت ہے

الخاتمہ

اعلم ان مسئلۃ السماع مختلف بین الفریقین المذکورتم کما بیناہ فلا یکون اباحۃ مقیدۃ بزمان دون زمان کن الٰک الاباحۃ والحرمۃ لایثبتان الا بالوحی والوحی بعد نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام مفقود فکیف یصح قول المنکر انہ قال علیہ ما استحقہ ان السماع کان مباحاً فی زمان السلف فالاٰن حرام بالاتفاق اذا اھل فی زماننا مفقود وھو ادعائے الوحی واطلاع الغیب لان فقدانہ لا یتحقق الابھا وھو کفر بالاتفاق۔ فثبت ان بہ قوام الضلال ولا یقول مثل ھٰذا الا المبتدع الضلال فافھم واجتنب والنظر فی ھٰذہ الرسالۃ بعین الانصاف حتّٰی یتحقق خلاف الاختلاف وفقک اللہ تعالیٰ وایانا علی متابعۃ السلف الصٰلحین بحق نبیہ المختار والہ الاطہار ؂

تمت

ان سب کا شمارہ بیان یہاں نہیں کیا جا سکتا اور ہم نے صرف دو حدیثوں کے بیان پر اس لیے اکتفا کیا ہے کہ ثبوت و شہادت کے لیے یہ ہی کافی ہیں۔

اور وہ جو فقہاء کرام حضرت ابو امامہ اور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایتیں اسکی حرمت میں بیان کرتے ہیں تو ان کی سندیں صحت کے ساتھ متصل ہی نہیں ہیں اور محدثین کرام ان کا اعتبار ہی نہیں کرتے، جیسا کہ شیخ مجد الدین رحمۃ اللہ نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں بیان کیا ہے اور اگر ان کا اعتبار بھی کر لیا جائے، تو سیدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث کے مقابل و معارض لایا نہیں جا سکتا۔ کیونکہ سیدہ صدیقہ کی فقاہت ان سے زیادہ مشہور ہے اور اگر وہ خود ان دونوں روایتوں میں غور و خوض کریں، تو انھیں معلوم ہو جائیگا کہ ہر ایک روایت اس کی اباحت کی دلیل ہے۔ پہلی وہ روایت جسے سیدنا ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہا گیا یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر وہ شخص جو گانے میں اپنی آواز کو اونچا کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطانوں بھیجتا ہے، ایک، ایک کندھے پر اور

دوسرا دوسرے کندھے پر۔ تو یہ وعید گانے میں بلند آوازی کو پہنچتی ہے نہ کہ سماعت پر۔ منکر کے لیے حرمت غنا پر یہ دلیل نہیں بنتی۔ اسلیے کہ بلند آوازی سننے کے لیے مزاحم ہوتی ہے، لہٰذا سماع کے لیے بلند آوازی ممنوع۔ تو یہ دلیل جوازِ سماع پر ہے (نہ کہ حرمتِ سماع پر)۔ کیا تم نے وہ حکم نہیں دیکھا، جس میں تلاوتِ قرآن کے وقت خاموش رہ کر سننے کا حکم دیا گیا ہے اسلیے کہ گفتگو میں مشغول رہنا سننے میں مزاحمت کرتا ہے۔

دوسری وہ روایت جسے سیدنا جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی کہا گیا ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سب سے پہلے شیطان نے نوحہ کیا اور گایا ہے تو یہ ریاکاری سے نوحہ کرنے اور لہو واستہزاء سے گانے کی طرف ماؤل ہے اسلیے کہ اس کا نوحہ اور گانا، ریا اور لہو کی طرف برانگیختہ کرتا ہے اور یہ بالاتفاق ممنوع ہے لیکن عبادت کے فوت ہونے پر رونا اور نوحہ کرنا اور اس کی خوشی کے وقت گانا، تو اسکے مباح ہونے پر کوئی شبہ نہیں ہے، جیسا کہ ثابت ہے۔ تو اس طرح پر احادیث کے درمیان توفیق ہو جاتی ہے اور یہی اصل حقیقت ہے۔

اب رہا فقہاء کا یہ کہنا کہ غنا (مطلقاً) حرام ہے، اور اس میں بیٹھنا فسق ہے اور اس سے لذت لینا کفر ہے، تو یہ (مشائخ کرام کے سماع کیلیے کہنا) افتراء محض ہے، اور اس بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے انھیں کوئی ذوق اور نرمی نہیں ہے اس لیے کہ حرام کے ساتھ تلذذ یعنی لذت لینا، اگرچہ زنا ہی کیوں نہ ہو، اہلسنت وجماعت کے نزدیک کفر نہیں ہے۔ تو ان کا یہ قول اہل بدعت وہوا کے قول کی موافقت میں جاتا ہے اور انھیں ان کی پیروی نہ کرنی چاہیئے۔

اصل نہم دربیان دلائل از آثار معتبرہ

حضرت شیخ عارف باللہ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ بکثرت اسلافِ صحابہ و تابعین وغیرہم سے روایت کرتے ہیں کہ سماع مباح ہے اور اکثر صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے سنا ہے اور ان کا قول ان کے وفورِ علم، کمالِ حال واحوال اور اسلاف سے باخبر

ہونے کی بنا پر معتبر ہے آپ فرماتے ہیں اگر کوئی اس سماع کا مطلقاً بغیر قید کے اجمال و تفصیل سب کا انکار کرے، تو اس سے نشتر عد لیقول کا انکار لازم آتا ہے اگرچہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ انکار مدعی زہد قراء کی طبیعتوں کے نزدیک زیادہ قریب ہے ہم اس کا انکار نہیں کرتے کیونکہ ہم اُس چیز کو جانتے ہیں جس کا وہ علم نہیں رکھتے اور ہم نے سلف صالحین سے وہ سُنا ہے جس کو انھوں نے نہیں سُنا۔ نیز آپ فرماتے ہیں، اس سماع کا ایسا منکر جو مطلقاً بغیر تفصیل کے انکار کرتا ہے یقیناً ان تین آفتوں میں سے کوئی آفت اس ضرور موجود ہو گی۔ یا تو وہ سنن وآثار سے جاہل ہو گا۔ یا وہ مباح شدہ اعمالِ خیر میں تنگی پیدا کرنے والا ہو گا۔ یا وہ بالطبع جامد کند ذہن اور بے ذوق ہو گا جس طرح گدھا ہوتا ہے کہ اس پر کتابیں لاد دی جائیں اور فقہ کی "کتاب البیان" میں مذکور ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ان کے پاس دو باندیاں تھیں جو گاتی تھیں، پھر جب طلوعِ سحر ہو جاتی تو ان کو خاموش ہو جانیکا حکم فرماتے کہ اب سحر ہو گئی اور شیخ عبد الرحمٰن اسلیمی بالاسناد سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ ان سے کسی نے غنا کے بارے میں سوال کیا، تو جواب میں فرمایا، اگر شراب نوشی نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور "تہذیب الاخلاق" میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جب گھر میں تنہا ہوتے، تو ایک یا دو شعروں کو گنگنایا کرتے۔ ایک دن حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہونے کی اجازت مانگی، تو ان آثار سے ثابت ہو گیا کہ طیب نفس کے لیے گنگنانا مباح ہے، اور یہ بات ان میں متعارف تھی۔

امام غزالی رحمۃ اللہ یونس بن عبد الاعلیٰ سے نقل کرتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے اہلِ مدینہ کا سماع کو مباح جاننے کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا میں علماءِ حجاز میں سے کسی ایسے شخص سے واقف نہیں، جس نے سماع کو مکروہ جانا ہو، بجز اُن صورتوں کے جن میں کوئی منکرِ شرعی لاحق ہو۔

اب رہا وہ قول، جو سیدنا ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ "غنا دل میں نفاق کو ایسا اگاتا ہے جیسا پانی غلہ کو اگاتا ہے" تو یہ قول بھی اس کے اباحت کی دلیل ہے اس لیے کہ نفاق کسی امر نیک وصالح میں ہی ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ وہ امر نیک کسی فاسد نیت کے ساتھ کرے، تو فاسد نیت، فاعل کے عمل کو فاسد کرتی ہے اس سے، واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ غنا فی نفسہٖ امر نیک وصالح بالاتفاق ہے (کسی بدنیتی یا کسی حکم شرع کی خلاف ورزی سے فساد لاحق ہوتا ہے)۔

اب رہا حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول کہ "جب سے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے، اس وقت سے نہ کبھی گانا سنا اور نہ کوئی تمنا کی اور نہ اپنے داہنے ہاتھ کو شرمگاہ تک لے گیا" تو آپ کا یہ قول زمانۂ جاہلیت کے گانے پر محمول ہوگا۔ تاکہ پہلے دونوں قول اور آثار کے درمیان جو کہ اصل ہیں ان میں توافق ہو سکے۔ اسی بنا پر حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ سماع کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "اس کے تین ۳ حکم ہیں، حلال ۱، حرام ۲ اور مشتبہ ۳۔ لہٰذا جو شخص نفسانی خواہش اور شہوت وحرص سے سنتا ہے وہ حرام ہے، کیونکہ اس میں زمانۂ جاہلیت کے گانے کی مشابہت ہے اور جو بالطبع مباح طریقہ پر سنتا ہے مثلاً باندی سے یا بیوی سے، تو چونکہ اس میں لہو کے داخل ہونے کی مشابہت ہے اس لیے یہ مشتبہ ہے اور جو لہو وطبع سے محفوظ رہ کر قلب سلیم کے ساتھ سنے تاکہ عبرت وتنبیہ اور لقاءِ الٰہی کا شوق زیادہ ہو تو یہ بالاتفاق حلال ہے اور اسی کی طرف مشائخ کرام، صوفیاءِ عظام کے اقوال میں اشارہ ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "سماع وارداتِ حق سے ہے جو دل کو حق کی طرف برانگیختہ کرتا ہے۔ لہٰذا جس نے حق کے ساتھ سماعت کی، وہ ثابت قدم اور درست ہے اور جس نے تقاضاءِ نفس سے عمل کیا وہ زندیق ہو اور سے ہے"

اسی طرح حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا اس

کا ظاہر فتنہ ہے اور اس کا باطن عبرت ہے، تو جو شخص رموز و اشارہ کو جانتا ہے اس کے لیے سماع حلال ہے' ورنہ وہ فتنہ کو جگاتا ہے اور بلاؤں کو آگے لاتا ہے "۔

لہٰذا اس سے ثابت ہوا کہ اہلِ معرفت کیلئے سماع ارواح کی لطیف غذا ہے اور وہ اپنی ذات میں حسن و عمدہ ہے اس میں قطعاً قباحت نہیں ہے اس لیے کہ اس میں ارواح کا تلذذ ہے جس کی بنا پر بدن پر جنبش طاری ہوتی ہے اور تواجد ہوتا ہے جیسا کہ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ " اہلِ معرفت کے لیے سماع ارواح کی لطیف غذا ہے، لیکن اسکا حکم سننے والوں کے اعتبار سے مختلف ہے لہٰذا جو حق پر محمول کرتا ہے، تو اس کے لیے سماع حق ہے اور جو اس کے برخلاف محمول کرتا ہے تو اُس کا حکم بھی برعکس ہے کیونکہ سماع، درختوں کی ہوا کی مانند ہے، جب وہ ہوا باغوں میں سے ہو کر گزرتی ہے تو وہ اس کی خوشبو سے مشام دماغ معطر ہوتے ہیں، اور وہ ہوا جب گندگی پر سے گزرتی ہے تو وہ دماغ کو جلا ڈالتی ہے، تو سننے والوں کے اعتبار و اندازہ کی بنا پر احتیاط لازم ہے۔

حضرت سلطان المشائخ رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "سماع کے سننے والے تین قسم کے ہیں متسمع[1]، مستمع[2] اور سامع[3]۔ لہٰذا متسمع وہ ہے جو وقت کے ساتھ سنتا ہے اور مستمع وہ ہے جو حال کے ساتھ سنتا ہے اور سامع وہ ہے جو حق کے ساتھ سنتا ہے۔ پس متسمع کی صفت تواجد ہے اور مستمع کی صفت وجد ہے اور سامع کی صفت وجود ہے " جیسا کہ ہم اسے آئندہ اصل میں بیان کرتے ہیں۔

اصل دہم ۔ دربیان حقیقتِ تواجد

تواجد وہ حرکتِ موزوں ہے جو غلبہ سماع کے وقت بلا اختیار سننے والے سے صادر ہوتی ہے تو یہ حسن ہے اس لیے کہ یہ وجدانِ قلب کو مستدعی ہے اور وجدانِ قلب، وجودِ محبوب کی طرف داعی ہوتی ہے اور اس کی تائید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قولِ مبارک ہے جبکہ سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

نے تواجد کو لہو و لعب پر محمول کیا تھا۔ حضورِ اکرم نے فرمایا اے معاویہ ! جو شخص ذکرِ محبوب کے سننے کے وقت وجد و حرکت میں نہیں آتا وہ صاحبِ کرامت نہیں ہے۔

سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ سے تواجد کے بارے میں سوال کیا گیا، تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے یومِ میثاق، ارواح کو مخاطب کر کے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ (کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ؟) تو اُس وقت تمام روحیں اپنے رب کے کلام کی سماعت پر جھوم اٹھیں۔ لہٰذا جب روحیں سماع کو سُنتی ہیں، تو اس پر، وجد و حرکت میں آکر جھومنے لگتی ہیں۔ اس لیے بوقتِ سماع، اہتزاز یعنی وجد و حرکت میں آنا ممنوع نہیں ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایسا کیا اور صحابہ کرام نے بھی ایسا کیا۔

مروی ہے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے فرمایا اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ (تم مجھ سے ہو، اور میں تم سے) تو اس پر حضرت علی مرتضیٰ جھومنے لگے اور حضورِ اکرم نے جب سیدنا جعفر سے فرمایا تم میری صورت و سیرت میں مشابہ ہو تو اس پر وہ جھومنے لگے اور حضور نے جب حضرت زید سے فرمایا کہ تم میرے بھائی اور میرے محبوب ہو، تو وہ جھومنے لگے۔ معلوم ہوا کہ مسرت و انبساط کے وقت جھومنا روح کی صفت ہے جیسا کہ سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دل کو حرکت و جنبش میں لاتا ہے۔ لہٰذا روح حرکت دینے والی ہے۔ اور دل، حرکت میں لایا ہوا۔ پھر جس وقت نغمہ سے روح جنبش میں آتی ہے اور قالب یعنی جسم اس کی پیروی کرتا ہے تو اس وقت تواجد اور حرکت موزوں ہی صادر ہوتی ہے اس لیے کہ نغمہ بھی موزوں ہوتا ہے، تو لامحالہ تواجد بھی موزوں ہی صادر ہوگا۔ اس سے انکار کی کسی کو گنجائش نہیں اس لیے کہ یہ وجد کرنے والے سے بے اختیار پایا جاتا ہے۔ لہٰذا تواجد، رقص و ناچ کے

بالکل غیر ہے کیونکہ ناچ اور رقص میں حرکت، بناوٹی اور اختیار کے ساتھ ہوتی ہے۔ جیسا کہ غلبۂ حرص و ہوا کے وقت ریاکار اور احمق لوگ کرتے ہیں، یہ بالاتفاق حرام ہے۔

اب رہی تواجد کی حرکت! تو اس کی بہت سی قسمیں ہیں، جو مختلف احوال میں جدا جدا ہوتی ہیں۔ ایک تواجد کی حرکت، شدت و کرب کی ہے جو بوقت ذبح، مذبوح کی مانند حرکت ہوتی ہے اور ایک حرکت ایسی ہوتی ہے جو طلب و استدعاء کے وقت پائی جاتی ہے، یہ حرکت اس مچھلی کی مانند ہوتی ہے جو خوشی و مسرت کے وقت ظاہر ہوتی ہے اس حرکت کی مثال اس پروانہ کی مانند ہوتی ہے، جو روشنی کو دیکھ کر اس کی طرف جھپٹتا ہے۔ لہٰذا کرب و بے چینی نفس کی جانب سے اور طلب و استدعاء، دل کی جانب سے اور خوشی و انبساط روح کی جانب سے ہوتی ہے۔ غرضکہ اس قسم کا اہتزاز یعنی جنبش و تواجد اہل کمال کے ساتھ خاص ہے، جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ اپنے صحابہ کے ساتھ اس قصیدہ مبارک پر جو عشق و محبتِ الٰہی سے لبریز تھا سن کر جھومنے لگے تھے۔ اس کے دو شعر یہ ہیں

لَقَدْ لَسَعَتْ حَيَّةُ الْهَوٰی كَبِدِیْ	فَلَا طَبِيْبَ لَهٗ وَلَا رَاقِیْ
بلاشبہ میرے جگر کو ایسے دوستی کے سانپ نے ڈسا ہے	جسکا نہ کوئی علاج ہے اور نہ منتر ہے
اِلَّا الْحَبِيْبُ الَّذِیْ شُغِفْتُ بِهٖ	فَعِنْدَهٗ رُقْيَتِیْ وَ تِرْيَاقِیْ
بجز اس محبوب کے جس پر میں وارفتہ ہوں	اسی کے پاس میرا منتر اور میری دوا ہے

ان اشعار کو سن کر اتنا وجد آیا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک کاندھوں سے آپ کی چادر شریف گر پڑی۔

اب جبکہ تواجد، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم کے فعل سے ثابت ہے تو وہ عمل محمود ہوا۔ اگرچہ وہ عمل نظر میں بظاہر لعب ہے جیسا کہ حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لعب سے منسوب کر کے عرض کیا

مَا اَحسَنَ لَعِبَكَ يَا رَسُولَ اللہ۔ (اے اللہ کے رسول! آپ کا یہ لعب کتنا اچھا تھا) تو اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں منع فرمایا جیسا کہ ہم نے بیان کیا۔

اور تواجد کے لیے ظاہر اور باطن ہوتا ہے، اس کا ظاہر وہ حرکات ہیں جو دکھائی دیتے ہیں اور اس کا باطن، وہ غلبات ہیں، جو مخفی و پوشیدہ ہیں لہذا یہ عمل ظاہر بینوں کے لیے ہزل یعنی لہو و لعب ہے، کیونکہ وہ غلباتِ سرّیہ پر مطلع ہی نہیں ہوتے ہیں اور اصحابِ سرِّ باطن کے نزدیک یہ ظاہری حرکت مستحسن ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ علامتِ اشتیاق ہے جو مشاہدۂ سرّیہ کے غلبہ سے رونما ہوتی ہے۔ ان کی نظر ظاہری حرکتوں کی طرف نہیں ہوتی چنانچہ یہ مستند حدیث ان دونوں حالتوں کی خبر دیتی ہے اور یہ صحیح ہے، اس میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

اب رہا صاحب "العوارف" کا اس میں متردد ہونا کہ حضرت معاویہ نے تواجد کو لعب پر محمول کیا ہے، تو وہ شیخ ہیں اللہ کی نعمتوں پر شاکر و ذاکر ہیں، وہ دن رات ظاہر و باطن ہمہ وقت اس کے ذکر سے غفلت نہیں کرتے، وہ صفاتِ ملائکہ سے زیادہ قریب ہیں، لیکن انھیں نہ تو عشق کی حالت کی خبر ہے اور نہ غلبۂ سماع کا شعور ہے اس لیے کہ ان دونوں کے درمیان ایسی مساوات لازم نہیں کہ ایک دوسرے کے بغیر نہ پایا جائے جیسا کہ ہمارے شیخ سیدنا، نظام الحق والدین محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، شیخ عارف باللہ، نجم الدین قدس سرّہٗ سے "فوائد الفوائد" میں صاحب "العوارف" کی منقبت میں نقل فرماتے ہیں کہ "انسان کے لیے جس قدر نعمتیں پائی جانی ممکن ہیں ایسی سب نعمتیں ان میں موجود تھیں، بجز عشق کی نعمت اور سماع کی نعمت کے چنانچہ ان دونوں نعمتوں کا اثر، قوۃ صحو کے قوی ہونے اور عبادت میں بہت زیادہ مشغول ہونے کے سبب ان میں مفقود تھا لہذا صاحب "العوارف" کا متردد

ہونا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر دلالت نہیں کرتا بلکہ خود انکے ضعفِ حال پر راجع ہوتا ہے اس لیے کہ اس حدیث کو "قوت القلوب" کے مصنف نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے اور وہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک سے زیادہ قریب بھی تھے اور سُنن و آثار کے زیادہ عالم اور انکی صحت کو زیادہ جاننے والے تھے، فافہم

الخاتمہ

واضح رہنا چاہیے کہ مذکورہ دونوں طبقوں کے درمیان مسئلہ سماع مختلف فیہ رہا ہے، جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ لہٰذا اباحت کسی ایک زمانہ کے ساتھ مقید نہیں کیجا سکتی کہ کسی زمانہ میں ہو اور کسی زمانہ میں نہ ہو اسی طرح اباحت اور حرمت بجز اطلاعِ وحی کے ثابت نہیں ہو سکتی اور سلسلۂ وحی ہمارے نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد منقطع ہے لہٰذا اس منکر شخص کا قول کیسے صحیح ہو سکتا ہے جس نے کہا کہ "وہ لوگ سماع کے مستحق تھے چونکہ زمانہ سلف میں سماع مباح تھا، اور اب بالاتفاق حرام ہے اسلیے کہ ہمارے زمانہ میں اس کے اہل حضرات مفقود ہیں"۔ منکر کا یہ کہنا وحی آنے اور غیب پر اطلاع پانے پر دعویٰ کرنا ہے اور یہ بالاتفاق کفر ہے کیونکہ سلسلہ وحی منقطع ہو چکی اور بالذات عالم الغیب ہونا یہ خدا کی صفت ہے۔ تو ثابت ہو گیا کہ یہ گمراہ لوگوں کا قول ہے اور مبتدع و گمراہ کے سوا کوئی ایسی بات کہہ ہی نہیں سکتا۔ غور سے سمجھو اور قولِ زور سے مجتنب رہو۔ اور اس رسالہ پر چشمِ انصاف سے غور و فکر کرو یہانتک کہ خلاف اختلاف متحقق ہو جائے اللہ تعالیٰ تمہیں اور ہمیں اپنے نبی مختار اور انکی آلِ اطہار کے طفیل، سلفِ صالحین کی متابعت کی توفیق مرحمت فرمائے آمین

بمنہٖ تعالیٰ و کرمہٖ اس رسالۂ مبارکہ کا ترجمہ مورخہ ۲۰ محرم الحرام ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۶۵ء کو ختم ہوا"

فقیر اشرفی غلام معین الدین نعیمی غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسئلۃ السماع

از

(عارف باللہ، فانی اللہ، محقق یگانہ حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ پانی پتیؒ)

الحمد للہ رب العالمین، صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

امابعد (عارف باللہ حضرت علامہ قاضی) محمد ثناء اللہ (رحمۃ اللہ) برخوردار گرامی قدر محمد سالار، جعلہ اللہ من الاخیار والابرار، کو تحریر فرماتے ہیں کہ میری طرف سے سنت خیر الانام اور دعائے فلاح دارین اور اشتیاق ملاقات کے بعد مطالعہ ہو کہ تمہارا خط فصیح عربی زبان میں موصول ہو کر موجب انشراح خاطر ہوا۔ تم نے سماع کے مسئلہ کے متعلق لکھا ہے کہ اس زمانہ میں بکثرت لوگ مزامیر یعنی سازو باجے کیساتھ قوالی سنتے اور وجد میں آتے ہیں اور وجد کی حالت میں حق حق کے نعرے لگاتے ہیں اور اس میں شک نہیں کہ راگ و گانا مطلق حرام ہے۔ خصوصاً ایسا راگ جو مزامیر کیساتھ قطعی حرام ہے اسے حلال جاننے والا اور اس کی حرمت میں کلام کرنیوالا کافر ہو جاتا ہے اور جب ایسے مقام پر اللہ کا نام لیا جائے تو یقیناً اس سے کفر لازم آتا ہے جیسا کہ حاوی نے بیان کیا ہے کہ ان ذکر اسمہ من اسماء اللہ تعالیٰ عند ضرب المزامیر کفر"

جواب تو اے برخوردار! تمہیں زیبا نہیں ہے کہ اہل اسلام کی تکفیر میں جلدبازی کا مظاہرہ کرو خصوصاً ایسے نازک وقت میں جبکہ یہ طعن اکابر دین، (رزقنا اللہ تعالیٰ محبتہم واتباعہم) تک پہنچتا ہو، محب صادق کو ہمیشہ یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ شاہ العالمین حضرت شیخ عبد القدوس سرہ العزیز باوجودیکہ علم ظاہر میں کامل اور علم باطن میں رفیع الشان تھے وہ مزامیر کے ساتھ کثرت

سے قوالی سنا کرتے تھے ؎

گر خدا خواہد کہ پردہ کس درد میلش اندر طعنۂ پاکاں برد ؎
ور خدا خواہد کہ پوشد عیب کس کم زند در عیب معیوباں نفس

تکفیر مسلمین کا حکم

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "من دعا رجلا بالکفر او قال عدو اللہ ولیس کذالک الا حاد علیہ (بخاری و مسلم) جس نے کسی مسلمان کو کافر کہہ کے یا دشمن خدا کہہ کے پکارا اور وہ ایسا نہ ہو تو وہ قول اسی کہنے پر پلٹ جاتا ہے۔

جامع الفتاوی میں ہے کہ "ینبغی للعالم اذا رفع الیہ ان لا یبادر بتکفیر اہل الاسلام و مع ان یقضی باسلامہ تحت ظلال السیوت (من الملتقط) عالم دین کو سزاوار ہے کہ جب اس کے سامنے کسی مسلمان کا ذکر کیا جائے تو وہ کسی مسلمان پر حکم کفر لگانے میں جلد بازی سے کام نہ لے - باوجود اس کے اس نے تلواروں کے سایہ میں اپنے اسلام کا اظہار کیا ہو اس پر اسلام کا ہی حکم لگایا جائیگا **حصول عبادی** میں ہے کہ "اذا کانت فی مسئلۃ وجوہ توجب الکفر و وجہ واحد الذی یمنع التکفیر فعلی المفتی ان یمیل الی الوجہ یمنع التکفیر" جس وقت کسی ایک مسئلہ میں چند وجوہ وجوب کفر کے ہوں اور ایک وجہ ایسی ہو جس میں کفر کی مخالفت ہو تو مفتی کو لازم ہے کہ اس وجہ کو اختیار کرے جس میں کفر کی مخالفت ہو۔

مزامیر و غنا کی حرمت کے دلائل

اے برخوردار! اب تم مزامیر و غنا کے حلال و حرام ہونے کی بحث سنو:

اس بارے میں یہ ملحوظ خاطر رکھو کہ اس مسئلہ میں آیات و احادیث معارض واقع ہوئی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ؎

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم ویتخذھا ھزوا ط اولٰئک لھم عذاب مھین ہ (پ ۲۱ ع ۱۰)	اور کچھ لوگ کھیل کی بات خریدتے ہیں تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی بنا لیں ان کے لیے ذلت کا عذاب ہے۔

یہ آیۂ کریمہ گانے باجے کی حرمت میں وارد ہوئی ہے

ابن ابی الدنیا "ذم الملاہی" میں اور طبرانی "الکبیر" میں حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کرتے ہیں کہ آدمی جب بھی گانے کے ساتھ اپنی آواز بلند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دو شیطانوں کو اس کے کندھوں پر بھیجتا ہے جو اس کے سینہ پر ایڑیاں مارتا رہتا ہے جبتک وہ خاموش ہو۔

(مارفع صوتہ بغناء الابعث اللہ شیطانین علی منکبیہ یضربان باعقابھما علی صدرہ حتی یمسک)۔

شیخ عبد الرحیم عراقی نے جو کہ احیاء العلوم کی سند کو بیان کرنے والے ہیں انہوں نے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے طبرانی "الاوسط" میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ

ان اللہ حرم القینۃ وبیعھا وثمنھا وتعلیمھا۔	اللہ تعالیٰ نے گانے والی باندی کو اور اس کی خریداری وقیمت کو اور

اس کی تعلیم کو حرام کر دیا ہے۔ بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث محفوظ نہیں ہے

امام بخاری نے مزامیر اور سامان لہو کی حرمت میں حضرت ابو عامہ سے یہ حدیث روایت کی ہے جو ابو مالک اشعری سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ

لیکونن من امتی اقوام یستحلون الخمر والحریر والمعازف	میری امت کے کچھ لوگ ایسے ہونگے جو شراب، ریشم اور مزامیر کو حلال جانینگے

امام بخاری کے نزدیک یہ حدیث تعلیق کے درجہ میں ہے۔ اسی لیے ابن حزم نے اسے ضعیف کہا ہے۔

ابوداؤد اسماعیل نے بروایت حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ متصلاً یہ حدیث روایت کی ہے۔

ان اللہ امرنی ان امحو المزامیر والکبارات یعنی البرابط والمعازف | اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں مزامیر اور کبارات یعنی بربط و ساز اور باجے کو مٹا دوں۔

حضرت قیس بن سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان اللہ حرم علی الخمر والکوبۃ والقیان　اللہ تعالیٰ نے مجھ پر شراب کو، سامان طرب، ساز و باجے اور گانے والی عورتوں کو حرام کر دیا ہے اور حضرت ابوامامہ کی حدیث میں گزر چکا ہے کہ شراب کو اور دف بجانے کو حلال جاننے کی سبب اللہ تعالیٰ خواری کا عذاب دیگا۔ عبدالرحیم عراقی نے کہا کہ یہ تمام حدیثیں ضعیف ہیں۔

ابوالشیخ مرسلاً مکحول سے روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا الاستماع الی الملاھی معصیتہ" ملاہی یعنی گانے باجے کو کان سے لگا کے سننا گناہ ہے

ابوداؤد نے روایت کیا ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کے کان میں جب گانے کی آواز پہنچی تو آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو کانوں میں ٹھونس لیں۔ ابوداؤد نے کہا کہ یہ حدیث منکر ہے۔

اصحاب سنین اربعہ نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت کی کہ

لھو المسلم باطل الا ثلثۃ تعلیمہ بقوسہ وتادیبہ بفرسہ وملاعبتہ باھلہ | مسلمان کا کھیلنا ان تین موقعوں کے سوا حرام ہے یعنی تیر اندازی کی مشق کرنا، گھوڑے کو سدھانا اور بیوی سے دل لگی کرنا۔

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

الغناء ینبت النفاق فی القلب کما ینبت الماء الذرع
گانا دل میں اس طرح نفاق اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو اگاتی ہے

غنا کے مباح ہونیکے دلائل

احادیث مذکورہ وہ تھیں جو غنا و مزامیر کی حرمت پر لوگ بطور دلیل لاتے رہے ہیں۔ اب کچھ ایسی حدیثیں بیان کیجاتی ہیں جو اباحت پر دلالت کرتی ہیں۔ چنانچہ

بخاری و مسلم حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس اس حال میں تشریف لائے کہ انصار کی دو لڑکیاں بعاوث کی جنگوں پر گانے گا رہی تھیں۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے پاس تشریف لائے تو دو لڑکیاں ان کے قریب بیٹھی دف بجا کر گا رہی تھیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چادر مبارک لپیٹے آرام فرما تھے۔ یہ صورت دیکھ کر حضرت صدیق نے ان لڑکیوں کو منع فرمایا اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روئے زیبا سے چادر شریف ہٹا کر فرمایا اے ابو بکر ان سے کچھ نہ کہو کیونکہ یہ ان کی خوشی کے دن ہیں۔

سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم جب مدینہ منورہ رونق افروز ہوئے اور قبیلہ بنی نجار میں فروکش فرمایا تو اس وقت بنی نجار کی لڑکیاں دف بجا کر یہ شعر گا رہی تھیں ؎

نحن جوار من بنی نجار   وحبذا محمد من جار

ہم قبلیہ بنی نجار کی لڑکیاں کتنی خوش قسمت ہیں کہ ہم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر سایہ ہیں۔

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے تو مدینہ منورہ کی عورتوں نے یہ شعر گاتے ہوئے آپ کا استقبال کیا

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع   وجب الشکر علینا ما دعیٰ اللہ داع

امام غزالی رحمۃ اللہ نے ان شعروں کو خوش آوازی کے ساتھ دف بجا کر گانے کی تصریح کی ہے حالانکہ بیہقی کی روایت میں دف اور خوش آوازی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔

ترمذی و ابن ماجہ اور ابن سنی نے حضرت محمد بن ابن حاطب سے روایت کی اور ترمذی نے اسے حسن بتایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال و حرام کے درمیان فرق ہے کہ بوقت نکاح دف بجا کر اور خوش آوازی سے گائیں

ترمذی نے غریب بتا کر حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اعلنوا ھذا النکاح واجعلوا فی المساجد   اس نکاح کا اعلان کرو اور مسجدوں میں

واضربوا علیھا الدفوف۔   نکاح کرو اور اس پہ دف بجاؤ۔

حضرت ربیع بنت معوذ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے اس رات تشریف لائے جس دن مجھے شوہر کے گھر رخصت کر کے بھیجا گیا تھا۔ تو حضور نے میرے بستر پہ تشریف رکھی اور لڑکیاں دف بجا بجا کر ان اشعار کو گا رہی تھیں جو بدر کے معرکہ میں پہلے ان کے خاندان کے افراد شہید ہوئے تھے اور ان کی یاد میں وہ تھے اسی اثنا میں ایک لڑکی نے یہ مصرعہ پڑھا ع وفینا

نبی یعلم مافی غد" (اور ہم میں ایسا نبی تشریف فرما ہے جو علم رکھتا ہے کہ کل کیا ہو گا۔) اس پر رسول خدا نے ان سے فرمایا اس مصرعہ کو چھوڑ دو اور اپنا پہلا گیت ہی گائے جاؤ۔

امام بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ انہوں نے فرمایا ایک عورت، رخصت کر کے ایک انصاری کے گھر وداع کی گئی تو حضور نے فرمایا کیا تمہارے پاس گانے بجانے کا سامان نہیں تھا؟ کیونکہ انصار گانے بجانے کو بہت محبوب رکھتے تھے۔

مسند ابن حبان میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے انہوں نے فرمایا میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جس کا میں نے نکاح کیا تھا۔ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ! کیا تم نے گانے والی لڑکیوں کو نہیں بلایا؟ کیونکہ قبیلہ انصار کے لوگ گانے کو بہت محبوب رکھتے ہیں اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس سے بھی اسی کی مانند حدیث روایت کی ہے۔ سنن نسائی میں حضرت عامر بن سعد سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں قرظہ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما کے پاس اس رات پہنچا جس شب میں نکاح ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ لڑکیاں گا رہی ہیں میں نے کہا اے مصاحبانِ رسول! اور اے اہل بدر! کیا تمہارے یہاں ایسے کام کیے جاتے ہیں؟ تو ان میں سے ایک نے مجھے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے پاس بیٹھ کر سنو اور اگر چاہو تو چلے جاؤ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں تو نکاح میں گانے بجانے کی اجازت دیدی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ تشریف لیے جا رہے تھے کہ اچانک باجے کی آواز مسموع فرمائی۔ آپ نے پوچھا یہ کیا ہو رہا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا یہ ختنہ کی خوشی

میں ہے اس پر آپ خاموش ہو گئے اور انہیں منع نہ فرمایا۔"

فیصلہ

چونکہ راگ کی حلت اور حرمت میں متعارض نصوص آئی ہیں اس لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے احتیاطاً اس کی حرمت کا فتویٰ دیدیا ہے۔ جیسا کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ دلائل کے تعارض کے وقت حرمت کو اباحت پر مقدم رکھتے ہیں یہاں تک کہ انہوں نے ولیمہ میں بھی گانا جائز نہیں رکھا۔ چنانچہ ہدایہ کی کتاب الکراہت میں لکھا ہے مَنْ دُعِیَ اِلٰی وَلِیْمَۃٍ اَوْ طَعَامٍ فَوَجَدَ لَهْوًا اَوْ غِنَاءً فَلَا بَأْسَ اَنْ یَّقْعُدَ وَیَاْکُلَ قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ اُبْتُلِیْتُ بِهٰذَا مَرَّۃً فَصَبَرْتُ قَالَ صَاحِبُ الْهِدَایَۃِ دَلَّتِ الْمَسْئَلَۃُ عَلٰی اَنَّ الْمَلَاهِیَ کُلَّهَا حَرَامٌ حَتَّی الْغِنَاءِ بِضَرْبِ الْقَضِیْبِ وَلِهٰذَا قَالَ اَبُوْحَنِیْفَۃَ اُبْتُلِیْتُ لِاَنَّ الْاِبْتِلَاءَ بِالْمُحَرَّمِ یَکُوْنُ — یعنی جو شخص ولیمہ یا کسی دوسری ضیافت میں مدعو کیا جائے، پس وہ (وہاں) کھیل کا سامان یا گانا پائے تو وہاں بیٹھنے اور کھانا کھانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں خود ایک بار اس میں مبتلا ہو گیا تھا تو میں نے صبر کیا تھا صاحب ہدایہ کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کھیل کے سامان سب حرام ہیں یہاں تک کہ نرسل مار مار کر گانا بھی حرام ہے اور اسی لیے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے مبتلا ہو گیا کا لفظ استعمال کیا ہے کیونکہ مبتلا ہونا حرام چیز ہی سے ہوتا ہے۔"

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے حرمت سرود کی احادیث کو اس گانے بجانے پر حمل کیا ہے۔ جو محض کھیل اور دل لگی کے لئے ہو۔ یا اس میں فتنہ کا خوف ہو۔ اور جو گانا بجانا کسی غرض صحیح پر مبنی ہو۔ مثلاً نکاح کے اعلان یا ایسے

ہی کسی دوسرے امر اس کو وہ مباح سمجھتے ہیں۔ کتب حنفیہ میں بھی ایسی ہی روایت مذکور ہے۔ چنانچہ ہدایہ کی کتاب الغصب میں لکھا ہے طَبْلُ الْغُزَاۃِ وَالدُّفِّ الَّذِیْ یُبَاحُ ضَرْبُہٗ فِی الْعُرْسِ یُضْمَنُ بِاِتْلَافِہٖ مِنْ غَیْرِ خِلَافٍ یعنی غازیوں کا نقارہ اور دف جس کا بجانا بیاہ میں مباح ہے۔ اس کے ضائع کرنے سے ذمہ داری لازم آتی ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمۃ اللہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ راگ کی حرمت میں جو حدیثیں وارد ہوتی ہیں وہ اس گانے پر محمول ہیں جو شہوت اور عشق مجازی سے دل کی شیطانی مرادیں پوری کرتا ہے لیکن جو گا خدا کی محبت کرتا ہے۔ وہ محبوب ہے یعنی عبادت ہے اور جو گانا نہ شیطان کی مراد پوری کرتا ہے نہ خدا کی محبت کرتا ہے وہ بذات خود مباح ہے جب گانا سننا شادی کے موقعوں پر خوشی بڑھاتا ہے تو اگر وہ خوشی مباح ہے۔ تو وہ گانا بھی مباح ہے چنانچہ عید کے روز اور نکاح کے موقعہ پر۔ اور کسی بچھڑے ہوئے عزیز کی آمد پر اور ولیمہ کی دعوت پر اور بچے کی پیدائش کی تقریب پر اور عقیقہ اور ختنہ کے دن اور حفظِ قرآن کی آمین کے دن وغیرہ وغیرہ اور اس قول کو اکثر علماء حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

خزانہ اور کافی میں لکھا ہے حُرْمَۃُ الْغِنَاءِ وَغَیْرِھَا مُقَیَّدٌ بِاللَّھْوِ فَمَا یَکُوْنُ بِغَیْرِ اللَّھْوِ بِغَرَضٍ کَمَا فِی الْعُرْسِ وَالْوَلِیْمَۃِ وَاسْتِعْدَادِ الْغُزَاۃِ وَالْقَافِلَۃِ وَلِحُصُوْلِ رِقَّۃِ قُلُوْبِ عِبَادِ اللّٰہِ الْمَرْضِیَّۃِ عِنْدَ اللّٰہِ لَا تَکُوْنُ حَرَامًا عَلٰی مَذْھَبِ الْحَنَفِیَّۃِ — یعنی گانے بجانے وغیرہ کی حرمت لہو کے ساتھ مقید ہے اور گانا بجانا لہو کے بغیر کسی اور غرض کے لیے ہو۔ جیسے نکاح کے وقت اور ولیمہ میں۔ اور غازیوں کی تیاری یا قافلے کے کوچ کے وقت اور بندگان خدا یعنی صوفی لوگوں کے دل کو رقت میں لانے کے لیے جن سے خدا راضی

ہے۔ حنفیہ کے مذہب پر حرام نہیں۔

امتناع میں ہے کہ اِنَّ السَّمَاعَ یَحْصُلُ بِہٖ رِقَّۃُ الْقَلْبِ وَالْخُشُوْعُ وَاِثَارَۃُ شَوْقِ بِقَاءِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْخَوْفُ مِنْ سَخَطِہٖ وَعَذَابِہٖ وَمَا یُفْضِیْ اِلٰی ذَالِکَ قُرْبَۃٌ وَاِذَا کَانَ السَّمَاعُ ھٰکَذَا فَکَیْفَ یَکُوْنُ فِیْہِ شَائِبَۃُ اللّٰھْوِ وَالْھَوَاءِ ۔ یعنی راگ سننے سے رقت قلب اور خشوع اور وصال الٰہی کے شوق کا جوش اور اس کے قہر و عذاب کا خوف پیدا ہوتا ہے اور جس امر کا نتیجہ یہ ہو وہ ایک عبادت ہے اور جب گانا سننا ایسا ہو تو اس میں کھیل اور بیہودگی کا کیا دخل ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ جو اکابر علمائے ظاہر میں سے ہیں اور اولیاء اللہ کے رئیس ہیں۔ عوارف میں فرماتے ہیں کہ اَلسَّمَاعُ یَسْتَجْلِبُ وَالرَّحْمَۃَ مِنَ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ ۔ یعنی سماع خداوند کریم کی رحمت لاتا ہے۔ حضرت خواجہ خواجگان عالیشان خواجہ بہاؤالدین نقشبند رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سماع کے بارہ میں فرمایا ہے کہ "نہ انکار مے کنم و نہ این کار میکنم"۔ یعنی میں نہ انکار کرتا ہوں اور نہ یہ کام کرتا ہوں۔ چونکہ ان کے طریقہ کے بنا کمال اتباع سنت پر ہے اور یقین ہے کہ گانا سننا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کا دستور نہ تھا اس لیے انہوں نے فرمایا کہ "نہ ایں کار میکنم" اور چونکہ ان کے نزدیک سماع کی حرمت ثابت نہیں تھی۔ اس لیے فرمایا کہ "نہ انکار مے کنم" اگر وہ حرام سمجھتے تو ضرور انکار کر دیتے اور ایک گناہ سے ضرور منع فرماتے۔

جب تم مذکورہ بالا تحقیق سن چکے ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا یہ کہنا کہ مطلق راگ ایک حرام فعل ہے۔ بالکل بجا ہے۔ مطلق گانا کیونکر حرام ہو سکتا ہے جبکہ گانے کے بعض افراد ایسے ہیں کہ ان کو خود رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے جائز رکھا ہے اور پھر تم نے لکھا ہے کہ جو گانا ساز اور باجے کے
ساتھ ہو اس کی حرمت کے منکر اور اس کو حلال سمجھنے والے کو کافر سمجھا جائے
یہ قول بھی بیجا ہے ۔ خود رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نکاح میں دف
بجانے کا حکم دیا ہے اور امام مالک رحؒ نے اس کو نکاح کے صحیح ہونے کی شرط
قرار دیا ہے اور جب اعلان نکاح کے لیے دف کا بجانا حلال یا مستحب ہو
تو ڈھول اور نقارہ اور طنبور وغیرہ میں بمقابلہ دف کے کونسا فرق ہے ۔
کھیل اور بیہودگی کے لیے سب حرام ہیں اور صحیح غرض کے لیے سب حلال
ہو سکتے ہیں ۔ نکاح کا اعلان ہر چیز سے ہو سکتا ہے ۔ دف وغیرہ میں
فرق کرنا ایک نامعقول بات ہے ۔

مزامیر کی حرمت کو تسلیم کر لینے کی تقدیر پر حرمت کو قطعی قرار دینے
کے کیا معنی ہوں گے ؟ دلیل قطعی صرف محکم آیت یا متواتر حدیث یا اجماع
امت ہوتی ہے ۔ اگر بالفرض وہ حرام ہے تو اس کی حرمت احادیث
احاد سے ہے اور احادیث احاد دلیل ظنی ہے ۔ ان سے جو امر ثابت ہوتا
ہے ۔ اس کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا سماع کی حرمت احادیث سے
ثابت ہے ۔ اور امام مالک رضی اللہ عنہ اس کی حرمت کے قائل نہیں ہیں
مکروہ قرار دیتے ہیں ۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ شطرنج کو مباح جانتے ہیں ۔
حالانکہ وہ کھیل ہے اور اس کی حرمت احادیث سے ثابت ہے ، جس
ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ نص قرآن کی رو سے حرام ہے ۔ مگر
امام شافعی اس کو حلال کہتے ہیں ۔ اور تاویل کر لیتے ہیں ۔ شراب کے سوا
باقی نشہ آور اشیاء جو تھوڑی ہوں اور نشہ نہ لائیں وہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ
کے نزدیک حلال ہیں ۔ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ نے فرمایا ہے ۔
کہ مَا اَسْکَرَ کَثِیْرُہٗ فَقَلِیْلُہٗ حَرَامٌ ۔ یعنی جو چیز نشہ لائے بہت ہو یا

بھوڑی ہو حرام ہے۔

غرضکہ مزامیر کو حلال سمجھنے والے کو کافر کہنا ہرگز جائز نہیں ہے اور وہ جو حاوی میں قدسی نے لکھا ہے کہ باجا بجاتے وقت اللہ کا نام لینا کفر ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ مطرب جب لہو و بیہودگی کے طور پر دف بجائے اور بجاتے وقت بسم اللہ کہے تو یہ کفر ہے اس لیے کہ اس نے ایک ناجائز فعل کے ساتھ خدا کا نام لے کر اس کی بے ادبی کی ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ایک دف بجاتا ہو۔ اور دوسرا شخص خدا کے ذکر میں مشغول ہو اور حق حق کہتا ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ حضرات کا اہل غنا کے حق میں یہ کہنا کہ لِاَھْلِہٖ مُبَاحٌ یعنی جو اس کے اہل ہیں ان کو مباح ہے۔ حق ہے۔ لیکن موجودہ درویش لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ یہ لوگ تکلف اور بناوٹ کے ساتھ وجد کرتے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہ کہنا چاہیئے کہ اس زمانے میں کوئی شخص اس جماعت سے نہیں ہے جو اس کی اہل تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے لَا یَزَالُ مِنْ اُمَّتِیْ اُمَّۃٌ قَائِمَۃٌ بِاَمْرِ اللّٰہِ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ وَلَا مَنْ خَالَفَھُمْ۔ یعنی میری امت میں برابر ایک ایسا گروہ موجود رہے گا جو خدا کے حکم پر قائم ہو گا ان کی مخالفت کرے گا اور فرمایا مَثَلُ اُمَّتِیْ کَمَثَلِ الْمَطَرِ لَا یُدْرٰی اَوَّلُھَا خَیْرٌ اَوْ اٰخِرُھَا یعنی میری امت کی مثال مینہ کی سی ہے جس کی نسبت معلوم نہیں کہ اس کا اول اچھا ہے یا آخر۔ برادرمن! اہل وجد تین قسم کے ہیں۔ ایک تو اہل کمال ہیں جن کے باطن میں درد الٰہی پیدا ہو جاتا ہے اور ان کو بے اختیار کر دیتا ہے۔ یہ جماعت خدائی گروہ ہے۔ ان کا انکار خرابی دین کا موجب ہے حدیث قدسی میں آیا ہے من عادی لی ولیا بادرنی بالمحاربۃ (مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ) یعنی

جس شخص نے میرے ولی (دوست) سے عداوت کی وہ میرے مقابلہ کو نکلا (یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں نے روایت کی ہے) دوسرے وہ لوگ ہیں جو اعلےٰ حالات کو پیدا کرنے کے لیے راگ سنتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تدبیر سے واردات حاصل کریں۔ یہ بھی محمود ہے تیسرے وہ لوگ ہیں جو ریا کے طور پر وجد کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کو اہل کمال سمجھیں حالانکہ وہ کوئی بھی قابلیت نہیں رکھتے۔ یہ لوگ فاسق اور بدعتی ہیں۔ ریا سے نماز پڑھنی شرک خفی ہے

هٰكَذَا قَالَ الْغَزَالِیُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ اَلتَّوَاجُدُ بِالتَّكَلُّفِ مِنْهُ مَا هُوَ مَذْمُوْمٌ وَهُوَ الَّذِیْ يُقْصَدُ بِهِ الرِّيَاءُ وَاِظْهَارُ الْاَحْوَالِ الشَّرِيْفَةِ مَعَ الْاِفْلَاسِ عَنْهَا وَمِنْهُ مَا هُوَ مَحْمُوْدٌ وَهُوَ التَّوَصُّلُ اِلَى اسْتِدْعَاءِ الْاَحْوَالِ الشَّرِيْفَةِ وَاكْتِسَابِهَا وَاسْتِجْلَابِهَا بِالْحِيْلَةِ فَاِنَّ لِلْكَسْبِ مَدْخَلًا فِیْ جَلْبِ الْاَحْوَالِ وَلِذٰلِكَ اَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ مَنْ لَّمْ يَحْضُرْهُ الْبُكَاءُ فِیْ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ اَنْ يَّتَبَاكٰی وَيَتَحَازَنَ فَاِنَّ هٰذِهِ الْاَحْوَالَ قَدْ يُتَكَلَّفُ فِیْ مَبَادِيْهَا ثُمَّ يَتَحَقَّقُ اَوَاخِرُهَا ۔ یعنی اسی طرح امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تکلف سے وجد کرنے کی ایک قسم مذموم ہے اور یہ وہ ہے جس سے دکھاوا اور احوال شریفہ کا اظہار مقصود ہو۔ باوجودیکہ ان فضائل سے محروم ہوں اور ایک قسم وہ ہے جو محمود ہے اور وہ احوال شریفہ کی تلاش کا ذریعہ ڈھونڈنا اور ان احوال کو اس تدبیر سے کرنا اور حاصل کرنا ہے کیونکہ کسب کو احوال پیدا کرنے میں بڑا دخل ہے اور اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شخص کو جسے قرآن کی قراءت میں رونا نہ آئے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ تکلف سے رونی صورت اور غمگین شکل بنائے کیونکہ ان حالات میں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ان کے شروع شروع میں تکلف کیا جاتا ہے اور انجام کار وہ احوال سچ مچ پیدا ہو جاتے ہیں۔

پس یاد رکھنا چاہیئے کہ سماع میں جس شخص کو وجد طاری ہوتا دیکھیں اس کا انکار نہیں کرنا چاہیئے اور بدظنی نہ رکھنی چاہیئے۔ مسلمانوں میں حسن ظن واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا ط

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ۔ یعنی بعضا ظن بھاری گناہ ہے پس کسی شخص کے حق میں بدگمانی کرنے والا بدگمانی کی وجہ سے خود فاسق ہو جاتا ہے وہ دوسرا شخص فاسق ہو یا نہو۔ قرآن مجید میں قول معروف مِنْ آلِ فِرْعَوْنَ مذکور ہوا ہے حَيْثُ قَالَ اِنْ يَّكُ كَاذِبًا فَعَلَيْهِ كَذِبُهٗ وَاِنْ يَّكُ صَادِقًا يُّصِبْكُمْ بَعْضُ الَّذِيْ يَعِدُكُمْ۔ یعنی اگر وہ شخص جھوٹا ہوگا تو اس پر اس کے جھوٹ کا گناہ ہے اور اگر سچا ہوگا تو تم کو کچھ نہ کچھ (عذاب پہنچیگا جس کا تم سے وعدہ کرتا ہے ؎

ہر کرا جامہ پارسا بینی — پارسا دان و نیک مرد انگار

جس کو تو لباس پارسائی پہنے دیکھے — اس کو پارسا سمجھ اور نیک مرد شمار کر)

شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ؎

مرا پیر دانائے روشن شہاب — دو اندرز فرمود بر روئے آب

یکے آنکہ بر خویش خود بین مباش — دوم آنکہ بر غیر بدبین مباش

یعنی مجھ کو پیر دانا روشن دل حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے دریا پر دو نصیحتیں کیں۔ ایک تو یہ کہ اپنے آپ کو بہ نظر پسندیدگی نہ دیکھا کر دوم یہ کہ دوسرے کو بُری نظر سے نہ دیکھ "

یہ تمام طویل کلام نصیحت کی غرض سے ہے جو لکھی گئی ہے ؎

نصیحت گوش کن جاناں کہ از جاں دوست تر دارند
جوانانِ سعادتمند پندِ پیر دانا را "

از حضور سیدنا داتا گنج بخش مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ
(از کشف المحجوب شریف)

وجد و وجود اور تواجد کے مرتبہ کے بیان میں

وجد و وجود دونوں مصدر ہیں وجد کے معنی اندوہ و غم اور وجود کے معنی پانے کے ہیں جب دونوں کا فاعل ایک ہو تو بجز مصدر کے دونوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا جیسا کہ کہا جاتا ہے ۔ وجد ، یجد ، وجوداً و وجداً ۔ اور جیسے وجد یجد، وجداً جس کے معنی اندوہگین کے ہیں نیز جب تونگری کے معنی میں ہو گا تو وجد یجد جدۃً مستعمل ہو گا تو وجد یجد موجدۃً مستعمل ہو گا ۔ یہ سب مصادر ہیں نہ کہ افعال و مشتقات اور اہل طریقت کے نزدیک وجد اور وجود سے ان دو حالتوں کا اثبات ہے جو سماع میں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک تو غم و اندوہ کو شامل ہوتا ہے اور دوسرا مراد پانے میں کامیاب ہوتا ہے اور غم و اندوہ کی حقیقت، محبوب کا گم ہونا اور مراد کا پانا ہے اور پانے کی حقیقت مراد کا حاصل ہونا ہے اور حزن و وجد کے درمیان فرق یہ ہے کہ حزن اس غم کو کہتے ہیں جو اپنے نصیب میں ہو اور وجد اس غم کو کہتے ہیں جو محبت کے طریقہ پر دوسرے کے نصیب میں ہو یہ تمام تغیرات طالب کی صفت ہے والحق لا یتغیر (حق تعالیٰ تغیر پذیر نہیں ہوتا) اور وجد کی کیفیت ، لفظ و عبارت میں نہیں بیان کی جا سکتی ۔ اس لئے کہ وہ معائنہ میں غم و الم ہے اور الم کی کیفیت قلم سے بھی نہیں جا سکتی ۔ لہٰذا وجد ایک باطنی حالت ہے جو طالب و مطلوب کے درمیان ہوتی ہے ۔ کیونکہ کشف میں باطنی حالت کا بیان اور اس کے وجود کی کیفیت کا نشان و اشارہ صحیح نہیں ہو سکتا اس لئے کہ مشاہدہ

میں ایک خوشی ہے اور خوشی طلب سے نہیں مل سکتی۔ لہٰذا وجود ایک فضیلت ہے جو محبوب سے محب کو ملتی ہے اور اس کی حقیقت کا اظہار و اشارہ ناممکن ہے۔ میرے نزدیک وجد دل کو الم و غم پہنچنے کا نام ہے خواہ خوشی سے ہو یا غم سے، خواہ تکلیف سے ہو یا راحت سے اور وجود دلی غم کا آلہ ہے اور اس سے مراد سچی محبت ہے۔ واجد کی صفت جوش و شوق کی حالت میں حرکت کی ہوگی یا کشف کی حالت میں مشاہدہ کے حال میں سکون کی ہوگی اما زفیر اما نفیر اما حنین اما انین اما طیش اما عیش اما کرب اما طرب۔ لیکن آہ کھینچنا، فریاد کرنا، گریہ وزاری، غصہ کرنا، راحت پانا، تکلیف اٹھانا اور خوش ہونا۔

اور مشائخ طریقت کا اس میں اختلاف ہے کہ وجد مکمل ہوتا ہے یا وجود مریدوں کی صفت ہے اور وجد عارفوں کی مدح اور جبکہ عارفوں کا درجہ مریدوں سے زیادہ بلند ہوتا ہے تو لازم آتا ہے ان کی صفت بھی ان سے بلند تر اور کامل تر ہو اس لئے کہ جو چیز حاصل ہونے اور پانے کے تحت آتی ہے وہ مدرک (سمجھ میں آنے والی) ہوتی ہے اور موصوف و صفت ایک ہی جنس کے ہوتے ہیں اور یہ کہ ادراک حد کا اقتضا کرتی ہے اور حق تعالیٰ بے حد ہے لہٰذا بندہ کا پانا بجز شرب و عمل کے نہ ہوگا اور جس نے نہ پایا وہ طلبگار ہوتا ہے اور اس میں طلب منقطع ہوتی ہے اور وہ اس طلب سے عاجز ہوتا ہے اور وجدان حق ان کی حقیقت ہوتی ہے۔

اور ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ وجد مریدوں کی سوزش ہے اور وجود محبوں کا تحفہ اور مریدوں سے محبوں کے درجہ کی بلندی چاہتی ہے کہ طلب سوزش سے تحفہ کے ساتھ مکمل اور زیادہ آرام پائے اس معنی کی وضاحت نہیں ہو سکتی بجز کسی حکایت کے وہ حکایت یہ ہے کہ :۔

ایک دن حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ اپنے حال کے جوش میں حضرت جنید

بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس آئے انہوں نے ان کو غمگین پایا دریافت کیا اے شیخ کیا ہوا ہے؟ حضرت جنید نے فرمایا من طلب وجد (جس نے چاہا پالیا) حضرت شبلی نے کہا لا بل من وجد طلب (نہیں بلکہ جس نے پایا وہ طالب ہوا) اس جگہ اس کے معنی ہیں مشائخ فرماتے ہیں کہ ایک نے وجد کا پتہ دیا دوسرے نے وجود کا اشارہ کیا۔ مگر میرے نزدیک حضرت جنید رحمۃ اللہ کا قول معتبر ہے اس لیے کہ بندہ جب جان لیتا ہے کہ اس کا معبود اس کی جنس کا نہیں ہے تو اس کا غم طویل ہو جاتا ہے۔ اس بحث کو اس کتاب میں بیان کر چکا ہوں۔

مشائخ طریقت کا اس پر اتفاق ہے کہ وجد کے غلبہ سے علم کا غلبہ زیادہ قوی ہوتا ہے اس لیے کہ جب قوت وجد کے غلبہ کو ہوتی ہے تو واجد خطرے کے محل پر ہوتا ہے اور جب قوت علم کے غلبہ کو ہوتی ہے تو عالم امن کے محل میں ہوتا ہے

اس ساری بحث و کلام کا مقصود یہ ہے کہ طالب ہر حال میں علم و شریعت کا فرمان بردار ہے کیونکہ جب وجد سے مغلوب ہو جاتا ہے تو اس سے خطاب اٹھ جاتا ہے اور جب خطاب اٹھ جائے تو ثواب و عقاب بھی اٹھ جاتا ہے۔ اور جب ثواب و عقاب اٹھ جائے تو عزت و ذلت بھی اٹھ جاتی ہے اس وقت اس کا حکم دیوانوں، پاگلوں کے مانند ہوتا ہے نہ کہ اولیاء و مقربوں کی مانند اور جب بندہ کے حال کے غلبہ پر علم کا غلبہ غالب ہو تو بندہ اوامر و نواہی کی پناہ گاہ میں ہوتا ہے اور عزت کے محل میں مقیم اور ہمیشہ صاحب شکر ہوتا ہے پھر جب علم کے غلبہ پر حال کا غالب ہو تو بندہ حدود سے خارج ہو کر اپنے نقص کے محل میں خطاب سے محروم ہو جاتا ہے اس وقت یا تو معذور ہوتا ہے یا مغرور بعینہ یہی معنی حضرت جنید کے قول کے ہیں جو انہوں نے فرمایا اس لیے کہ دو ہی راستے ہیں ایک علم سے دوسرے عمل سے اور جو عمل علم کے بغیر ہو اگرچہ بہتر ہو مگر جہل و نقص ہے اور علم جو عمل کے بغیر ہو،

عزت و شرف رکھتا ہے۔ اسی بنا پر حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفر اھل الھمۃ اشرف من اسلام اھل المنیۃ۔ اہل ہمت کا کفر آرزو رکھنے والے اسلام سے بزرگ تر ہے۔

مطلب یہ کہ اہل ہمت پر کفر کی کوئی صورت نہیں بنتی اگر سوچا جائے تو اہل ہمت جو کفر کے ساتھ آرزو مند ایماندار سے زیادہ کامل ہوتا ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ نے حضرت شبلی رحمۃ اللہ کے بارے میں فرمایا الشبلی سکران ولو افاق من سکرہ لجاء منذر اما ینتفع بہ یعنی شبلی مست ہے اگر وہ اپنے نشہ سے افاقہ پا جائیں تو ایسے ڈرانے والے ہوں کہ کوئی بھی ان سے فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

ایک حکایت میں ہے کہ حضرت جنید، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت ابوالعباس بن رحمۃ اللہ علیہم ایک جگہ جمع تھے قوال نے چند اشعار گائے۔ دونوں باہم وجد (تواجد) کرنے لگے اور حضرت جنید ساکن بیٹھے رہے، وہ کہنے لگے اے شیخ تمہارے نصیب میں اس سماع سے کچھ حصہ نہیں ہے حضرت جنید نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول پڑھا تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب۔ یعنی تم ان کو جامد گویا ٹھہرا ہوا گمان کرتے ہو حالانکہ وہ گزرنے والے بادلوں کی مانند گزر جاتے ہیں۔

لیکن وجد کی حالت میں تواجد تکلف ہے اور تواجد یہ ہے کہ انعام و شواہد حق کو دل پر پیش کرنا اور وصل و آرزو کی فکر کرنا جوانمردوں کا کام ہے اور ایک گروہ اس میں صرف رسموں کی پابندی میں پڑا ہوا ہے جو ظاہری حرکات کی تقلید کرتا ہے اور باقاعدہ رقص کرتا اور ان کے اشارات کی نقل اتارتا ہے یہ حرام محض ہے۔

اور ایک گروہ محقق و ثابت قدم ہے اس میں ان کی مراد مشائخ کے

درجات اور ان کے احوال طلب ہے نہ کہ خالی رسموں اور حرکتوں کی پیروی
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا من تشبہ بقوم فھو منھم یعنی جس نے
جس قوم کی مشابہت کی وہ انہیں میں سے ہے اور یہ بھی ارشاد ہے کہ
اذا قرءتم القرآن فابکوا فان لم تبکوا فتباکوا یعنی جب تم قرآن پڑھو تو
روؤ پھر اگر تم نہ رو سکو تو رونے کی شکل بنا لو۔

یہ احادیث تواجد کی اباحت میں ناطق و شاہد ہیں اسی واسطے ایک
بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ہزار میل جھوٹے چلتا ہوں تاکہ ان میں سے کوئی
ایک قدم سچا ہو جائے اس سلسلہ میں اس سے بڑھ کر بحث ہے لیکن
میں اسی پہ اکتفا کرتا ہوں واللہ اعلم بالصواب۔

رقص اور اس کے متعلقات ہیں

شریعت و طریقت میں رقص
کی کوئی اصل نہیں ہے اس لیے کہ تمام عقلاء کا اتفاق ہے کہ یہ ایک
لہو و کھیل ہے جبکہ بکوشش ہو اور جب بیہودگی سے ہو تو لغو ہے کسی
ایک بزرگ نے بھی اسے پسند نہیں رکھا ہے اور نہ اس میں مبالغہ کیا ہے
اور اس میں اہل حشو کا ہر قدم با ثبوت جو بھی وہ لائیں سب باطل پر مبنی
ہوگا جیسے کہ یہ کہیں کہ وجد کی حرکتیں اور اہل تواجد کے معاملات رقص
کے مانند ہوتے ہیں۔ اور بیہودہ لوگوں کا ایک گروہ ان کی تقلید کرتا ہے
اور وہ اس میں غلو کرتا ہے اور اسے انہوں نے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔
اور میں نے عام لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ تصوف کا
مذہب اس کے سوا ہے ہی نہیں۔ انہوں نے اسے اختیار کر لیا ہے اور
ایک گروہ تو ان کی اصلیت کا ہی منکر ہو گیا ہے غرضکہ رقص شرعاً اور
عقلاً تمام لوگوں کے لیے برا ہے اور یہ محال ہے بزرگ لوگ ایسا کریں
لیکن جب دل کو کوئی خفت و سبکی نمودار ہوئی اور اس خفت نے

باطن پر غلبہ کیا اور وقت نے قوت پکڑی تو حال نے اپنا اضطراب ظاہر کیا اس وقت ترتیب و رسوم جاتی رہیں۔ وہ اضطراب جو نظر آتا ہے نہ تو وہ رقص ہے نہ پائے بازی ہے اور نہ وہ طبع کی پرورش ہے کیونکہ اضطراب کی حقیقت تو جان کو گھلانا ہے اور یہ بات تو راستی سے بہت دور ہے کہ اس اضطراب کو رقص کہدیا جائے۔ حالانکہ یہ اضطراب ایسا حال ہے جسے گویائی سے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ من لم یذق لا یدری النظر فی الاحداث۔ یعنی جس نے اس کا مزہ نہ چکھا وہ محدثات میں غور و فکر نہیں کر سکتا۔ غرضیکہ نو عمروں کو دیکھنا اور ان سے صحبت کرنا ممنوع ہے اور اسے جائز رکھنے والا کافر ہے۔ اس سلسلہ میں جو بھی کوئی دلیل لائے۔ وہ بطالت و جہالت کا ثبوت دیتا ہے میں نے جاہلوں کا ایک گروہ دیکھا ہے کہ وہ اہل طریقت پر ایسی تہمت رکھ کر منکر ہو گیا ہے اور ایک گروہ کو ایسا بھی دیکھا ہے جس نے اسے اپنا مذہب بنا لیا ہے۔ تمام مشائخ رحمہم اللہ نے اسے آفت جانا ہے یہ اثر حلولیوں نے باقی رکھا ہے اللہ تعالیٰ ان پر لعنت برسائے تمام اولیاء اللہ، صوفیائے کرام اس سے منزّہ رہیں۔ واللہ اعلم۔

کپڑے پھاڑنا کپڑے پھاڑنا صوفیائے کرام کے درمیان مشہور عادت ہے اور بڑے بڑے اجتماع میں جس میں اکابر مشائخ موجود ہوتے صوفیوں نے کپڑے پھاڑے ہیں میں نے علماء کے ایک گروہ کو دیکھا ہے جو اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ درست کپڑے کو پھاڑنا ناجائز ہے اور یہ فساد ہے اور یہ محال ہے کہ کسی فساد سے جس سے ان کی مراد صلاح ہو درست ہو۔ تمام لوگ، درست کپڑے کو پھاڑتے اور کاٹتے ہیں پھر اسے سیتے ہیں مثلاً آستین، تنہ، دامن، جیب وغیرہ ہر ایک

کو جدا جدا کرتے پھر درست کرتے ہیں - اس میں کوئی فرق نہیں ہے کہ
کوئی کپڑے کے سو ٹکڑے کرے پھر انہیں سیئے اور کوئی پانچ ٹکڑے
کرے اور انھیں اس لیے باوجودیکہ ہر وہ ٹکڑا جو پھاڑا گیا ہے اسے سی دیا
جاتا ہے اس سے ایک مومن کے دل کی راحت ہے اور اس سے جو گدڑی
تیار ہوتی ہے وہ ان کی ضرورت کو پورا کرتی ہے اگرچہ طریقت میں کپڑا پھاڑنے
کی کوئی اصل نہیں ہے البتہ سماع میں اسے درستگی کی حالت میں پھاڑنا
نہ چاہیئے کیونکہ یہ اسراف کے سوا کچھ نہ ہوگا - لیکن اگر سننے والے پر ایسا
غلبہ طاری ہو جائے جس سے خطاب اٹھ جائے تو وہ بے خبر اور معذور ہے
جب کسی کا یہ حال ہو جائے اگر کوئی جماعت اس کی موافقت میں کپڑے
پھاڑے تو جائز ہے - اہل طریقت کے کپڑے پھاڑنے کے سلسلہ
میں تین قسم کے لوگ ہیں ایک وہ ہے جو درویش خود اپنے کپڑے پھاڑے
یہ غلبہ کے حکم میں سماع کی حالت میں ہوتا ہے دوسرے وہ ہے کہ جماعت
اور اصحاب مرشد و مقتدا کے حکم سے کپڑے کو پھاڑتے ہیں کوئی استغفار
توبہ کی حالت میں کسی جرم کے سبب کپڑے پھاڑتا ہے اور کوئی وجد و سکر
کی حالت میں کپڑے پھاڑتا ہے ان سب میں مشکل ترین وہ کپڑے پھاڑنا
ہے جو سماع میں کرتے ہیں - یہ دو قسم کے ہیں ایک مجروح یعنی زخمی
دوسرے درست مجروح کی دو شرطیں ہیں یا کپڑے کو سی دیں پھر یہ جماعت
اسے دیدے یا سی اور درویش کو دیدیں یا تبرک کے طور پر پھاڑ کر تقسیم
کردیں لیکن جب درست ہو تو دیکھنا چاہیئے کہ کپڑا پھاڑنے اور پھینکدینے
سے سننے والے درویش کی کیا مراد ہے - اگر مراد قوال کو دینا ہے تو اسے
دے دیا جائے اور اگر مراد جماعت کو دینا ہے تو انہیں دے دیا جائے اور
اگر کوئی مراد نہ ہو یونہی ڈال دیا تو مرشد کے حکم کے مطابق عمل کیا جائے -

جیسا مرشد حکم دے، اگر جماعت کر دینے کا حکم دے تو پھاڑ کر تقسیم کر دیں یا کسی ایک درویش کو دینے کا حکم دیں تو اسے دے دیں یا قوال کو دے دیں لیکن اگر قوال کو دینا ہو تو درویش یا اصحاب کے مراد کی موافقت شرط نہیں ہے اور جب اتفاق ہو تو پھر درویش کا کپڑا قوال کو نہ دیں کیونکہ یہ نااہل کو دینا ہوتا ہے اور وہ کپڑا درویش نے تو حالت اختیار میں دیا ہوگا۔ یا حالتِ اضطرار میں۔ اور دوسروں کو اس میں کچھ موافقت نہیں ہے۔ لہٰذا اگر جماعت کے ارادے پر کپڑا جدا ہوا ہے یا ان کی مراد کے بغیر تو اس مراد کی موافقت شرط ہے اور جب جماعت کپڑا پھینکنے میں متفق ہو تو مرشد کو لازم نہیں کہ وہ درویشوں کے کپڑے قوال کو دے۔ لیکن یہ جائز ہے کہ کوئی محب ان کی طرف سے کوئی چیز قوال پر قربان کرے اور ان کے کپڑے درویشوں کو لوٹا دے یا پھاڑ کر سب کو تقسیم کر دے اور اگر کپڑا مغلوبی کی حالت میں گر پڑا ہے اس میں مشائخ اختلاف کرتے ہیں اکثر یہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کی موافقت میں قوال کا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من قتل قتیلا فلہ سلبہ (جس نے مقتول کو مارا مقتول کا اسی کا ہے) مگر قوال کو نہ دیں تو طریقت کے حکم سے باہر نکلتا ہے اور ایک گروہ کہتا ہے اور یہ میرا بھی پسندیدہ ہے کہ بعض فقہاء کا مذہب ہے کہ مقتول کا سامان بادشاہ کی اجازت کے بغیر قاتل کو نہ دیا جائے۔ ایسے ہی طریقت میں بھی مرشد کے حکم کے بغیر وہ کپڑے قوال کو نہ دیں اگر مرشد چاہے کہ قوال کو نہ دیا جائے کسی اور کو دے دیا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب۔

آداب سماع آداب سماع کی شرط یہ ہے کہ جب تک ضرورت نہ ہو نہ کرے اور اسے اپنی عادت نہ بنائے کبھی کبھی سماع کرلے تاکہ اس

کی عظمت دل سے نہ جائے اور لازم ہے کہ جب تم سماع کرو تو کوئی مرشد اس جگہ موجود اور سماع کا مقام عوام سے خالی ہو۔ اور قوال عزت والے ہوں اور دل مشغولیتوں سے خالی اور طبیعت لہو و کھیل سے نفرت کرنے والی ہو اور درمیان سے تکلف کو اٹھا دیا جائے اور جب تک سماع کی قوت ظاہر نہ ہو نہ سننے یہ شرط نہیں ہے کہ اس میں مبالغہ کرو اور جب قوی ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے سے دور کرو اور قوت کے پیروکار ہو جاؤ۔ جیسا کہ اقتضاء ہو ویسا کرو اگر ہلائے تو ہلو اور اگر ساکن رکھے تو ساکن رہو۔ طبعی قوت اور وجد کی حرقت سوزش کے درمیان فرق کرو۔ سننے والے پر لازم ہے اس میں اتنی قوت دیدار ہو کہ وارد حق قبول کر سکے اور اس کا حق ادا کر سکے اور جب وارد حق کا غلبہ دل پر ظاہر ہو تو اسے بتکلف اپنے سے دور نہ کرے۔ جب سننے والے کی طاقت برداشت جاتی رہی تو بتکلف جذب نہ کرے اور لازم ہے کہ حرکت کی حالت میں کسی سے مدد کی امید نہ رکھے اور اگر کوئی مدد کرے تو منع بھی کرے اور اس کی مراد اور اس کی نیت کو نہ آزمائے کیونکہ اس میں آزمانے والے کو بہت پریشانی اور بے برکتی ہوتی ہے اور کسی کے سماع میں دخل نہ دے اور اس کا وقت پراگندہ نہ کرے اور اس کے حالات میں تصرف نہ کرے اور لازم ہے کہ اگر قوال اچھا کلام کہے تو اس سے یہ نہ کہو کہ تم نے اچھا کلام پڑھا اور اگر ناخوش کہے تو برا بھی نہ کہو یا وہ ایسا ناموزوں شعر کہے جس سے طبیعت کو ناگواری ہو یہ نہ کہو اور دل میں اس سے غصہ نہ کرے اپنے درمیان میں نہ دیکھے سب حوالہ حق کرے اور درست ہو کر سنے اگر کسی گروہ کو، حالت سماع میں دیکھو اور اسے اس سے فائدہ نہ ہو تو یہ شرط نہیں ہے کہ اپنے صحو کے سبب ان کے سکر کا انکار کرو لازم ہے اپنے وقت کیساتھ آرام سے رہو اس سے ان کو فائدہ ہوگا اور صاحب وقت کی عزت کرو

تاکہ اس کی برکتیں اسے بھی پہنچیں۔

علی بن عثمان جلابی (سیدنا داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ) اسے زیادہ محبوب رکھتا ہوں کہ مبتدیوں کو سماع میں نہ چھوڑیں تاکہ ان کی طبیعت پریشان نہ ہو کیونکہ اس میں بڑے خطرے اور بڑی آفتیں ہیں اس لیے کہ چھتوں اور بلند مقاموں سے عورتیں ان کو سماع کی حالت میں دیکھتی ہیں اور اس سبب سے سننے والوں کو شدید حجابات کا واسطہ پڑتا ہے۔

اور لازم ہے کہ نوخیز لڑکوں کو بھی درمیان نہ بٹھائیں اور ایسا نہ ہونے دیں۔ اس کے بعد ان جاہل صوفیوں سے جنہوں نے ان باتوں کو اپنا مذہب بنا لیا ہے اور صداقت کو درمیان سے نکال دیا ہے میں خدا سے استغفار کرتا ہوں کیونکہ اس قسم کی آفتیں ہم جنسوں سے مجھ پر گزر چکی ہیں۔ اور حق تعالیٰ سے توفیق و مدد مانگتا ہوں تاکہ میرا ظاہر و باطن آفتوں سے محفوظ رہے اور میں اس کتاب کے پڑھنے والوں سے وصیت کرتا ہوں کہ اس کتاب کے احکام کے حقوق کی رعایت رکھیں وباللہ التوفیق۔

والحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وسلم تسلیما کثیرا کثیرا

ختم شد